قسط :16

سلمان سلیم

شعلہ زن

روبینہ رشید

وہ شعلہ زن تھی یا جوالا مکھی... اس کے وجود میں ایک آتش فشاں دہک رہا تھا... اپنوں کی خودغرضی، دھوکے اور دل و جاں پر گزر جانے والی ناگہانی اس کے وجود کو تہ و بالا کر دینے والے لاوے کے مانند رقصاں تھی... رسوائی کی موت کو اس کا انجام ٹھہرایا گیا مگر مقدر اسے اپنے ساتھ لے اُڑا... اس کے راستے میں رکاوٹوں اور دشواریوں کے ہمالیہ حائل تھے مگر وہ حاتم طائی کی طرح زندگی کی حسن آرا کے مشکل سوالات کے جواب تلاشتی رہی... ہر قیامت نے اس کے حوصلے کو مہمیز کیا... ہر اُفتاد اسے مضبوط بناتی گئی... پناہ اور بقا کی تلاش اسے مسلسل دوڑا رہی تھی... موت روپ بدل بدل کر اس کے تعاقب میں تھی... وہ اپنی طاقت سے خود ناآشنا تھی... راہ میں آنے والے ہر پتھر کو وہ اپنے راستے سے ہٹا رہی تھی... اس کے باوجود اس بار آنے والا طوفان شدید تھا... اس میں ناکامی قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی... ایک ایسی قیامت جو کروڑوں افراد کے قدموں سے زمین کھینچ لیتی ہے...

ایک سادہ و معصوم نازک اندام دوشیزہ کی سنسنی خیز داستان

گذشتہ اقساط کا خلاصہ

میں سارہ احمد چھوٹے سے گاؤں کی ایک نہایت عام سی لڑکی تھی جسے تین بہنوں میں سب چھوٹی ہونے کی وجہ سے ماں باپ کا لاڈ پیار نہ ہونے کے برابر ہی ملا۔ گھر میں بھائی کی حکومت تھی۔ میرے پیروں سے گھر کی زمین اس وقت سرک گئی جب اسی بھائی نے غصے میں کسی کو قتل کر دیا اور غیرت کے نام پر قتل کا بہانہ بنا کر سزا سے بچنے کے لیے مجھے بدنامی اور الزام کی کالک لگا کر موت کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا اور میرے ماں باپ نے بیٹے کو بچانے کی خاطر اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ اس شام میں نے گھر، گاؤں اور سب کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور ٹرین میں سوار ہو گئی۔ ٹرین میں ایک شیطان ملا۔ میں نے اس کا مقابلہ کیا اور کچھ پیسے لے کر وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوئی مگر اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا، جان بچانے کی دوڑ میں، میں ایک کچی بستی میں پہنچی جہاں گندے نالے میں ایک چھوٹی بچی ڈوب رہی تھی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اس بچی کو بچانے کے لیے نالے میں کود گئی۔ اس کی جان بچانے کے انعام کے طور پر مجھے اس کے گھر میں پناہ ملی۔ اس بستی میں منشیات کا دھندا زوروں پر تھا۔ مجھے پناہ تو ملی مگر میری تقدیر کی گردش میرے ساتھ تھی۔ پہلے مجھ پر اس بچی کے باپ کے قتل کا الزام لگا اور پھر وہاں پر خوف و ہراس پھیلاتی کالے جادو کی ماہر اماں سے میری جھڑپ ہو گئی۔ وہ اس بچی کے خون سے ایک خاص طاقت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ بچی کو بچانے کی کوشش میں وہ جادوگرنی جل کر مر گئی۔ جس کے بدلے بستی کے بڑے بدمعاش نے مجھے وہیں قتل کرنے کا حکم سنایا۔ علاقے کے دوسرے ڈان نے اچانک کارروائی کر کے مجھے بچا لیا۔ اس نے مجھے اپنے اڈے پر قید کیا جہاں ہر طرف منشیات ہی منشیات تھی۔ میں اسے اس کے تمام تر برے ارادوں کے ساتھ ختم کرنے اور اس کے منشیات کے ذخیرے کو آگ لگا کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو ہی رہی تھی کہ ایک افسر کے ہتھے چڑھ گئی۔ جہاں اس کے کرپٹ افسر نے مجھے آپا جی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ وہ آپا جی مجھے ٹرین میں ملی تھیں اور مجھے بہت اچھی لگی تھیں مگر درحقیقت آپا جی عصمتوں کی سوداگر تھیں۔ مجھے ان کے بنگلے پر ہر قسم کی تربیت فراہم کر کے امیروں کا دل خوش کرنے کے لیے تیار کیا گیا۔ آپا جی نے ایک رات مجھے ایک بارسوخ شخص کے محل پہنچا دیا۔ جہاں بڑی مشکلات اور جان لیوا کوشش کے بعد میں اسے چھری مار کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ میں جان بچانے کے لیے اندھا دھند دوڑ رہی تھی کہ بڑی سڑک پر دوڑ لگا دی جہاں سامنے سے آنے والی کار کی ٹکر نے مجھے بے ہوش کر دیا۔ یہ حادثہ میرے لیے زندگی کی نوید بن گیا۔ وہ گاڑی ڈاکٹر علی چلا رہے تھے۔ جو مجھے پہلے اسپتال اور پھر بابا کے پاس لے گئے۔ بابا

کے گھر آ کر میری زندگی بدل گئی۔ ان پر ہونے والے قاتلانہ حملے میں میری کوشش اور بہادری نے ان کی جان بچانے میں مدد کی۔ یہی ان سے میرا پہلا تعارف تھا جس کے بعد انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا، ان کی زندگی کی کہانی مجھ سے کچھ عجیب نہیں تھی۔ لندن میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران انہیں وہاں ایک کروڑ پتی یہودی ابراہام کی بیٹی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس محبت نے بالآخر شادی کا روپ دھارا، ابراہام مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کے نہ ماننے اور مسلسل دھمکیوں کی وجہ سے وہ دونوں پاکستان آ گئے۔ یہاں ان کی زندگی بہت شاندار اور خوشیوں سے بھرپور تھی۔ اللہ نے انہیں ایک بیٹی سونیا عطا کی مگر اسی دوران ابراہام کے غنڈے ان کے گھر پہنچ گئے۔ جہاں ان کی جان بچانے کی کوشش میں مریم نے اپنی جان دے دی اور وہ لوگ سونیا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بابا بمشکل اس غم سے کھڑے ہوئے اور اپنی بیٹی کی تلاش میں لندن پہنچے۔ کسی طرح وہ ابراہام کے محل میں گھسنے اور سونیا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اسے لے کر باہر آ گئے تھے مگر آخری لمحوں پر ابراہام اور اس کے لوگوں نے انہیں شدید زخمی کر کے سونیا کو ان سے چھین لیا۔ وہ ان کو مار ہی ڈالتے مگر ان کے دوست نے کسی طرح انہیں بچایا اور پاکستان بھیج دیا۔ ابراہام کے محل سے انہیں دو خفیہ فائلیں ملی تھیں جس سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ ابراہام کے پاس موجود تمام دولت مریم کی ماں کی ملکیت تھی اور اس نے اس دولت کو مریم یا اس کی اولاد کے نام کر رکھا تھا۔ سونیا کے 25 سال کی ہونے تک وہ اس کا ولی تھا مگر اسے یہ ثابت کرتے رہنا تھا کہ مریم یا سونیا میں سے کوئی ایک اس کے پاس موجود ہے۔ ابراہام سونیا کو اسرائیل میں کسی نامعلوم مقام پر لے گیا مگر بابا سے اس کا جھگڑا جاری تھا۔ بابا نے مجھے تعلیم و تربیت سے نکھارا، وہاں ان کے علاوہ ڈاکٹر علی اور کریم موجود تھے۔ کریم ایک فلسطینی خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کے پورے خاندان کو یہودیوں نے مار ڈالا تھا اور بابا اسے کیمپ سے ساتھ لائے تھے۔ وہ فوج میں میجر رہا تھا۔ مارشل آرٹ کا ماہر تھا اور اب فوجی ٹریننگ کی ایجنسی چلا رہا تھا۔ ڈاکٹر علی بابا کے دوست کا بیٹا تھا۔ ماں باپ کے حادثے میں انتقال کے بعد اس کی ذمے داری بابا نے لے لی تھی۔ اب ان دونوں کے ساتھ میں بھی اس گھر کا فرد بن چکی تھی۔ ابراہام کے بابا کو ایک فون نے ہم سب کو پریشان کر دیا تھا۔ اس نے بابا کو بتایا کہ اب وہ جلد ہی پاکستان کو تباہ و برباد کرنے والا ہے اور یہ سب کرنے کے لیے اس نے ان کی بیٹی سونیا کو (جسے وہ مریم کہہ رہا تھا) تیار کیا ہے یہ سب وہی کرے گی۔ کریم اس معاملے کو فوراً مقتدر حلقوں تک لے گیا تھا انہی دنوں سڑک پر ایک بھکارن کے مشکوک انداز پر میں نے اس کا پیچھا کیا وہاں سے ملنے والا ایک سکہ مجھے فخرالدین کے دفتر لے گیا۔ وہ اور وہ بھکارن تاشی موساد کے لیے کام کر رہے تھے۔ ہم نے ان کے کئی منصوبے ناکام کیے۔ اس دوران تاشی نے زہریلی گیس کے ذریعے مجھے جان سے مارنے کی کوشش کی مگر آخری لمحے پر کریم اور علی نے مجھے بچا لیا۔ پھر کریم کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اب ہماری ان سے کھلی جنگ تھی۔ فخرالدین پکڑا گیا مگر غضنفر نے دلاور کے ذریعے اس کو قتل کرا دیا۔ ہم تینوں کو اس معاملے سے ہٹانے کے لیے غضنفر نے بابا کو بیگو استاد کے ذریعے اغوا کروایا مگر ہم تینوں وہاں پہنچ گئے۔ اور بابا کو چھڑا لیا گیا۔ اس دوران ہم نے ایک سراغ پر محنت کر کے تاشی کو پکڑ لیا اور اسے خفیہ ایجنسی کے دفتر پہنچا دیا۔ تب ہی مجھے معلوم ہوا کہ کریم بظاہر فوجی ٹریننگ ایجنسی چلا رہا ہے مگر وہ انڈر کور فوجی ہے اور خصوصی خفیہ مشنز پر کام کرتا ہے۔ تاشی کے غائب ہونے پر زورین اور غضنفر نے میرے اغوا کا فیصلہ کیا۔ ہمارے گھر کے باہر کیمرا لگایا گیا۔ اغوا کی اس کوشش میں وہ ناکام رہے اور سب کے سب کریم کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ ایک منصوبے کے تحت تاشی کو فرار ہونے میں مدد دی گئی۔ وہ ایک منچلے سے لفٹ لے کر اس کے گھر پہنچی جہاں غضنفر نے اسے ختم کرنے کے لیے دلاور کو بھیجا۔ تاشی وہاں ماری گئی، مقامی ٹیم کی مسلسل ناکامی کی وجہ سے ابراہام نے سونیا کو پاکستان بھیجا۔ شینا ایٹمی ہتھیاروں کی جانکاری کے لیے وہاں کے ایک اعلیٰ ترین افسر سے دوستی کرتی ہے بالآخر پکڑی جاتی ہے۔ تلاشی کے دوران اس کا فون پھٹ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ ابراہام کی ٹیم بھی جونز کی سرکردگی میں شہر میں موجود ہے وہ اس کی مدد سے پورٹ پر کیمیکل کے ذریعے سیکڑوں لوگوں کی موت کا باعث بنتے ہیں۔ اس پر ابراہام سے جھگڑے کے بعد سونیا گھر سے نکلی اور میری گاڑی سے اس کا حادثہ ہو گیا۔ میں اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گئی۔ چوٹ لگنے کی وجہ سے وہ وقتی طور پر یادداشت کھو چکی تھی۔ دوسری طرف ابراہام نے خفیہ ایجنسیوں کی وجہ سے اس کی تلاش رکوا دی اور پہلی ٹیم نے تمام کام کرنے والوں کو گراؤنڈ کر دیا۔ دوسری جانب ابراہام کے لیے کام کرنے والا ڈیوڈ باباجی بن کر ہزاروں افراد کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ انہوں نے 8 دہشت گردوں کی مدد سے بڑی، فوجی چھاؤنی میں گھس کر اسلحہ خانہ، ائربیس پر قبضہ کر لیا اور اسٹاف کو یرغمال بنا کر ایٹمی ہتھیار حوالے کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ وہاں مجھے دلاور اور غضنفر نے اغوا کر لیا مگر اپنی خاص صلاحیت کی وجہ سے مجھے بہت جلد ہوش آ گیا اور میں غضنفر کو اٹھا لانے میں کامیاب رہی۔ فوجی چھاؤنی کے معاملے میں کریم کو بھی طلب کر لیا گیا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

میں دیوانوں کی طرح دوڑے جارہی تھی۔
سڑک کے ساتھ کئی ذیلی سڑکیں اور گلیاں موجود تھیں۔
میں نہیں جانتی تھی کہ بابا کس طرف ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں کچھ زیادہ تفصیل بتائی تھی نہ ہی میں نے غور سے سنی تھی۔ طے تو یہ ہوا تھا کہ میں وہاں پہنچ کر ان کو کال کروں گی۔ اگر انہوں نے کچھ بتایا بھی تھا تو مجھے اس حالت میں شاید یاد بھی نہیں ہوتا۔
میرے اردگرد قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا۔ آگ، بارود کی بُو، دھوئیں اور تباہی موت بن کر رقصاں تھے۔ مُردہ اور زخمی افراد کے جسم سڑک پر بکھرے پڑے تھے جو کم زخمی تھے یا موت کی سرخ لکیر میں آنے سے بچ گئے تھے، وہ پاگلوں کی طرح اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ یہ سارا منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا مگر مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس وقت میں صرف اور صرف بابا کو دیکھنا چاہتی تھی۔ زندہ سلامت، بخیر، باتیں کرتے، ہنستے مسکراتے ہوئے...... خوف اور ٹینشن سے میرے اعصاب جن کی مضبوطی پر مجھے فخر تھا، اس وقت جواب دے رہے تھے۔ میرا دل میرے کانوں میں ڈھول کے مانند بج رہا تھا۔
میں تیزی سے دوڑتی، لوگوں سے ٹکراتی، انہیں ہٹاتی پہلی ذیلی سڑک پر مڑی، دھماکے کے اثرات یہاں بھی نمایاں تھے، شروع میں موجود گاڑیوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ افراتفری کا عالم تھا، ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ میں بھی بابا کا نام پکارتے ہوئے بھاگے جارہی تھی۔ ایک ایک گاڑی کو دیکھتے ہوئے میں تیزی سے مڑی، ہماری گاڑی سکندر یا بابا کوئی بھی اس سڑک پر نہیں تھا۔ میں اسی تیزی سے دوسری ذیلی سڑک کی جانب بڑھی۔ اندر مڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں کسی تندور میں داخل ہوگئی ہوں۔
''اوہ......'' میرے منہ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ وہ کوئی بڑی گاڑی تھی جس میں لگی آگ نے اندر داخل ہونے والے پورے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے سڑک کے کنارے پر موجود کئی کھوکھے بھی آگ پکڑ چکے تھے۔
''ارے ارے میڈم......'' کسی مضبوط ہاتھ نے مجھے کھینچ کر آگ کی دلدل میں گرنے سے بچالیا۔ ''وہاں آگ لگی ہوئی ہے...... ہٹ جائیں یہاں سے......''
''وہاں...... وہاں...... مم...... میرے بابا...... شاید وہ وہاں نہ ہوں......'' میں نے بے اختیار اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔
''دوسری جانب سے گاڑیاں لوگ ہٹا رہے ہیں...... یہاں سے اندر جانا ممکن نہیں ہے۔ مدد آرہی ہے۔'' اس نے تاسف سے کہا۔ اتنے میں پیچھے سے کچھ آوازیں سنائی دیں اور پھر اندر موجود کسی گاڑی میں ہلکا سا دھماکا ہوا جس نے سب کی توجہ اس طرف مبذول کرادی۔ میں ایک لمحہ وہیں کھڑی سوچتی رہی پھر تیزی سے تیسری سڑک کی جانب لپکی۔ وہ اس علاقے میں آخری ذیلی سڑک تھی۔ اگر بابا وہاں بھی نہ ہوئے...... اس تصور نے میری آنکھوں کو دھندلا دیا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے میرے فون کال کا انتظار کیا ہو، اس سوچ کے آتے ہی میں ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی۔ اس ساری بھاگ دوڑ میں میرے ذہن سے موبائل کا خیال ہی نکل گیا تھا۔ اس لڑکے سے ہونے والے جھگڑے اور پھر اس سانحے کے باوجود میرے گلے میں لٹکے بیگ کا موجود رہ جانا غنیمت ہے۔ شاید اس کے بچ جانے کی وجہ اس کا نیا اور جدید انداز تھا جس میں بیگ ایک بازو سے ترچھا کر کے گلے میں پہنا جاتا ہے۔ میں نے آنسو پونچھتے ہوئے بیگ سے موبائل نکالا۔ اسے اس اٹھا پٹخ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، وہ صرف بند ہوگیا تھا۔ موبائل آن ہونے میں لگنے والے چند سیکنڈز مجھے گھنٹوں کے برابر لگ رہے تھے۔ موبائل آن ہوتے ہی فوراً بج اٹھا تھا۔ اسکرین پر نظر پڑتے ہی میرا دل اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑا تھا۔
اسکرین پر بابا کا نام چمک رہا تھا۔
یقیناً وہ بھی میری طرح مجھے تلاش کررہے ہوں گے اور مسلسل کال کررہے ہوں گے تب ہی فون کھلتے ہی ان کا فون آگیا تھا اور اس سب کا مطلب یہی تھا کہ وہ ٹھیک ہیں۔
''بابا......'' میں کال ریسیو کر کے دل کی گہرائی سے بولی۔
''سارہ...... سارہ بیٹا......'' بابا کی آواز سن کر میرے دل کو قرار سا آگیا تھا مگر ساتھ ہی میری آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوگئے تھے۔ ''تم کہاں ہو بیٹا...... خیریت سے ہونا...... تم، تم اس طرف مت آؤ بیٹا......''
''آپ...... آپ کہاں ہیں بابا؟'' میں نے بمشکل پوچھا۔
''میں یہاں تیسری سائڈ لائن کی دوسری جانب ہوں بیٹا...... گاڑی وہیں رہ گئی ہے...... یہاں تو قیامتِ صغریٰ گزر گئی ہے بٹیا۔'' ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔
''جی بابا...... آپ وہاں سے نکلیں بابا اور مین روڈ کی

طرف چلے جائیں، میں وہیں آرہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے بٹیا۔'' بابا نے کہا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' میں نے فون کو کان کے بالکل قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بٹیا...... معجزاتی طور پر خراش بھی نہیں آئی ہے ہمیں...... اصل میں کار کو پارکنگ نہ ملنے کی وجہ سے سڑک کے آخری کونے تک دھکا لگا کر لانا پڑا تھا۔ اس وقت تو بہت برا لگا تھا مگر اب اس کی مصلحت سمجھ میں آرہی ہے۔ میرے پروردگار کا شکر ہے۔''

''ٹھیک ہے بابا...... میں آرہی ہوں۔'' میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور کال کاٹ دی۔ اردگرد مچنے والے کہرام میں بات سمجھ میں آنا مشکل تھا مگر ان کی آواز سن پانا ہی بہت بڑا اطمینان تھا۔ میں نے فون بند کر کے بیگ میں ڈالا اور گلی میں مڑنے کا سوچا تھا تبھی میری نظر سروس روڈ کے کنارے پر پڑی...... وہاں موجود منظر نے مجھے ایک لمحے کو ساکت کر دیا...... اس کے بعد میں آگے بڑھی...... میری آنکھوں میں غصے کی آگ دہک رہی تھی اور دل نفرت سے بھرا ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ حتی الامکان تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا مگر اس کے ہاتھ پیر اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اس کا ذہن سن سا ہو رہا تھا۔ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ چل رہا تھا یا بھاگ رہا تھا۔ سب کچھ غلط ہو گیا تھا۔ اس نے اور امجد نے کیا کیا سوچا تھا مگر اس میں سے تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر اسے پہلے ہی کسی گڑبڑ کا خدشہ تھا۔ اس کی عمر بھلے صرف سترہ سال کی تھی مگر روزی روٹی کے چکر میں سڑک سڑک گھومنے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں سے ملتے ہی اس کو لگا تھا کہ یہ بہت غلط چکر ہے...... اس نے امجد سے کہا بھی تھا مگر اس نے کہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے اصرار اور پھر سب سے بڑھ کر ضرورت نے اسے پاگل بنا دیا تھا۔ اس کی ماں بیمار تھی...... بہت بیمار، اور اسے علاج کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اور یہ لوگ انہیں منہ مانگا سے بھی زیادہ معاوضہ دے رہے تھے۔ جب اس ڈاکٹر نے انہیں وہ ٹیکے لگانے کی بات کی اور کام صرف موبائل لے کر جلوس میں جانا اور فون سننا بتایا تب بھی وہ ٹھٹکا تھا مگر پھر وہی ضرورت آڑے آگئی...... ماں کی بیماری اور فری جیسے کام سے ملنے والے ڈھیر سارے روپوں کے خیال نے سوچ کے دروازے بند کر دیے۔ اس نے دل نہ ماننے کے باوجود وہ ٹیکا لگوا لیا۔ وہ ٹیکا...... یوں تھا جیسے اس کی ہر رگ میں آگ سی بھر گئی ہو جیسے دنیا بھر کو تباہ کرنے کے لیے وہ اکیلا کافی ہو...... جیسے سب کچھ مٹا دینا ایک لمحے کا کھیل ہو...... تب ہی تو جب اس لڑکی نے اسے روکا تو وہ اس سے بھڑ گیا...... دل سے ہر بات کا خوف نکل گیا...... وہ تو اسے ضرور مار ہی ڈالتا مگر وہ بھی جیکی چن سے کم نہیں تھی...... اس نے سر جھٹکا۔ اس وقت اتنے بڑے جھٹکے سے گزرنے کے بعد بھی وہ ٹیکا اس کے خون میں دوڑ رہا تھا اور لمحے لمحے بعد اپنا اثر دکھا رہا تھا مگر جو کچھ اس کے گرد ہو رہا تھا، وہ بھی کم نہیں تھا اور جو ہو سکتا تھا اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی وہ لرز جاتا۔

وہ ان سب کو چکما دے کر فون لے کر امجد کی طرف بھاگ رہا تھا۔ وہ اس سے خاصے فاصلے پر تھا جب اس نے امجد کو دھماکے کے ساتھ اڑتے دیکھا۔ اور پھر اسی لمحے اس کے ہاتھ میں موجود فون بج اٹھا۔ اس نے بے اختیار فون کو دور پھینکا تھا جہاں وہ مسلسل بج رہا تھا پھر شاید بھاگتے ہوئے لوگوں میں سے کسی کا پیر لگا یا کسی جسم کا کوئی حصہ اڑ کر اس پر گرا...... جس کے بعد گھنٹی کی آواز بند ہو گئی اور ایک زوردار دھماکے کے ساتھ آگ اور خون کا بازار گرم ہو گیا۔

اس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ اس دھماکے نے کس کس کی دیکھتی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے نابینا کر دیا اور کتنوں کے سہارے موت کے اندھیرے میں جا ڈوبے۔ وہ تو بس اس تپش سے اپنے جسم اور چہرے کو بچا کر بھاگ رہا تھا۔

لوگوں کے رش، بھگدڑ سے بچ بچا کر وہ بمشکل باہر نکل پایا تھا۔ وہ سڑک کے کونے پر پہنچا ہی تھا کہ یکدم موت اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی...... لمحے بھر کے لیے وہ ڈر سا گیا مگر پھر اس کے وجود میں گھومتے ٹیکے نے اسے تھام لیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا مگر اس نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔

اس وقت وہ پہلے کی طرح بہت امیر میم صاحب نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر دھوئیں کے اثرات تھے، بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہاتھوں، پیروں پر خراشیں تھیں، کپڑوں پر اپنے یا دوسروں کے خون کے چھینٹے موجود تھے مگر اس کی آنکھوں میں سخت نفرت اور غصہ موجود تھا۔ اس کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اسی کی طرف آرہی تھی۔

☆☆☆

وہ یقیناً وہی تھا۔

اس وقت اس کی حالت پہلے سے زیادہ تباہ تھی۔ اس کے کپڑوں پر خون تھا اور چہرے پر گرد، خون اور دھوئیں

نے تصویر کشی کر رکھی تھی۔ اُسے دیکھ کر میں پہلے ٹھٹکی پھر اس کی جانب بڑھی۔ یہ جو کچھ ہوا تھا، اس میں اس کا ضرور کچھ نہ کچھ کردار ضرور تھا اور اب جب مقدر اسے میرے سامنے لے ہی آیا تھا تو اسے چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔

''رک جاؤ...... تم اس بار بھاگنے میں کامیاب نہیں ہو گے۔'' میں نے آگے بڑھ کر سختی سے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے کو یوں لگا جیسے وہ ڈر گیا ہو مگر پھر اس کے تاثرات میں ڈرامائی سی تبدیلی آگئی۔

''ہاتھ چھوڑو......'' وہ غرایا اور جھٹکا مار کر بازو چھڑانا چاہا مگر اس بار میں اس کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو سختی سے جکڑا اور پھر تیزی سے اس کو موڑ دیا۔

''اوغ...... تو تو نہیں سمجھے گی ایسے......'' اس نے عجیب سے مشینی انداز میں کہا اور اچانک اچھل کر ڈبکی سی لگائی۔ اس کی وجہ سے وہ اپنا بازو تو نہیں چھڑا پایا البتہ پہلے سے بہتر اور حملہ کرنے کی پوزیشن میں ضرور آگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا، میں نے کراٹے کے کھڑے ہاتھ سے اس کی گردن پر ضرب لگائی۔ عام حالت میں یہ چوٹ سامنے والے اچھے خاصے فائٹر کو بھی زمین چٹانے کے لیے کافی تھی مگر وہ صرف لڑکھڑایا تھا اور پھر اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس کی تمام تر کوشش میری گردن پکڑنے کی تھی۔ اس کی آنکھوں سے شرارے سے نکل رہے تھے۔ میں اس کی کوششوں کو مسلسل ناکام بنا رہی تھی جس سے اس کے طیش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر سینے پر پڑنے والی میری زوردار کک نے اس کے پیر اکھیڑ دیے اور وہ زمین پر آرہا جس کے بعد میں نے اسے ککس پر رکھ لیا، مجھے یہ تکنیک کریم نے ہی سکھائی تھی۔ بقول اس کے دشمن کو دوبارہ کھڑے ہونے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ جس وقت مجھے یہ لگا کہ اب وہ ڈھے گیا ہے عین اسی وقت وہ پلٹا اور اس نے میری داہنی ٹانگ کو اپنی گرفت میں لے کر پوری قوت سے موڑ دیا۔ تکلیف اتنی شدید تھی کہ میں توازن قائم نہیں رکھ سکی اور اس پر جا گری۔ وہ تیزی سے اُچھلا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے میری گردن کو جکڑ لیا۔ میں اس کے ہاتھوں سے گردن چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس میں بلا کی وحشیانہ طاقت آگئی تھی۔ دوسری جانب ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں دوسری بار گردن پر پڑنے والا شدید دباؤ لمحہ بہ لمحہ میری سانسیں اکھاڑ رہا تھا۔ ہمارے اردگرد ایسی بھگدڑ تھی کہ کوئی اب تک اس جانب متوجہ ہی نہیں ہو پایا تھا۔ فضا میں البتہ اب ایمبولینسوں اور پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بج رہے تھے۔

''اے کیا ہو رہا ہے یہ......؟'' اچانک ایک بھاری سی آواز فضا میں گونجی۔ اس پر اس آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا جبکہ میں کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔

''چھوڑو اسے ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔'' وہی آواز پھر دہاڑی جس کے ساتھ ہی کچھ لوگوں نے اس کو پکڑ کر الگ کرنے کی کوشش کی مگر اس کے ہاتھ گویا میری گردن پر جم سے گئے تھے۔ میری سانسیں رکتی جا رہی تھیں۔ اس طرح کے انجام کے بارے میں، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا مگر یہ بھی ضروری تو نہیں کہ جو آپ سوچیں یا چاہیں وہی آپ کے ساتھ ہو، اکثر سب کچھ اس کے برعکس ہی ہوتا ہے اور میرے ساتھ تو یہ بہت بار ہو چکا تھا۔ گاؤں کی اس شام جب بھائی میرے قتل کی فرمائش لے کر آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اماں اور ابا اسے نہ صرف انکار کر دیں گے بلکہ شاید سخت الفاظ میں ڈانٹ ڈپٹ کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا تھا اور پھر بابا کے گھر آنے تک مقدر کی ساری چالیں میرے خلاف ہی رہی تھیں۔

''سارہ...... سارہ...... یہ کیا ہو رہا ہے...... بچاؤ میری بیٹی کو......'' بابا کے خیال کے ساتھ ہی ان کی آواز میری ڈولتی سماعت سے ٹکرائی اور مجھے جیسے واپس لے آئی تھی۔ میں نے اس کے کندھے پر اپنے ناخن گاڑنے کی کوشش کی۔ پیچھے سے کئی ہاتھ اسے کھینچ رہے تھے مگر وہ کسی وحشی جانور کے مانند کسی کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ بالآخر ایک ہلکا سا دھماکا ہوا، اس کے ہاتھوں کی گرفت ہلکی پڑی اور پھر وہ اپنا کندھا پکڑ کر زمین پر دہرا ہو گیا۔ میں دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ کر بمشکل سانس لے پا رہی تھی۔ اس کے گرتے ہی میرے سامنے جو چہرہ آیا، وہ جانا پہچانا سا تھا۔

''آپ...... آپ ٹھیک ہیں؟'' اس نے تیزی سے میرے قریب آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پوچھا جبکہ میں کھانستے ہوئے مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔

''ارے...... آپ تو وہی ہیں نا جو کچھ دیر پہلے آگ میں کودنے کی کوشش کر رہی تھیں؟'' اس کے ان الفاظ نے میری اُلجھن ختم کر دی۔

''شکریہ۔'' میں نے بمشکل کہا اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

''آئیے۔'' اس نے مدد کے لیے میری طرف ہاتھ

بڑھایا۔ میں ایک لمحے کو رکی پھر میں نے اُس کا پھیلا ہوا ہاتھ تھاما اور کھڑی ہوگئی۔ میری گردن کسی پھوڑے کے مانند دکھ رہی تھی اور بولتے ہوئے آواز بھی قدرے موٹی اور بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ کو زیادہ تکلیف ہو رہی ہے...... یہاں ایمبولینسز موجود ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''نہیں...... شکریہ...... میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' میں بولی اور پلٹ کر اس لڑکے کی جانب دیکھا۔ اسے اسٹریچر پر لٹایا جا رہا تھا۔ اس کے کندھے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش نظر آ رہا تھا۔

''اِسے دیکھیں...... یہ زخمی ہے...... اسے کچھ ہونا نہیں چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب...... کیا آپ کا جاننے والا ہے یہ؟'' اس نے نہ سمجھ پانے والے انداز میں مجھے گھورا۔

''یہ...... یہ اس سارے دھماکے اور گڑبڑ کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتا سکتا ہے۔'' الفاظ میرے ہونٹوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ ''میں نے پہلے بھی اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک موبائل تھا اور یہ عجیب روبوٹ کے انداز میں چل رہا تھا۔ میرے روکنے پر یہ مجھ سے اُلجھ پڑا تھا...... یہ اُس وقت بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا، یہ بھاگا تب اس کا فون بج رہا تھا اور چند لمحوں بعد دھماکا ہوا......''

''آپ کا مطلب ہے کہ یہ اس دھماکے کے بارے میں جانتا ہے؟''

''ہاں...... بالکل۔'' میں نے سر ہلایا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق پولیس یا کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے سے ہے۔

''بٹیا...... سارہ...... تم ٹھیک ہو......؟'' بابا نے قریب آ کر مجھے گلے لگا لیا۔ ''اسٹارٹ ہو گیا تھا کہ میں ان کے پیچھے پھنس گیا تھا مجھے گولی کی آواز آئی تھی۔''

''جی بابا......'' میں بھی اُن سے لپٹ گئی۔

''چلو بٹیا......'' وہ ایک لمحے بعد بولے پھر اس شخص کی طرف مڑے جو کسی کو اس لڑکے کے بارے میں ہدایات جاری کر رہا تھا۔ ''بہت شکریہ آفیسر......''

''یہ ہمارا فرض ہے سر۔'' وہ بولا اور دوسری جانب مڑا۔

''خیال رکھیے......'' میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کیسا...... کس چیز کا؟'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''اس کا...... یہ کسی نہ کسی کا آلۂ کار بنا ہے جانے یا انجانے میں...... اور اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ زندہ ہے تو وہ اسے بولنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔'' میں رک رک کر بول رہی تھی۔ ''آپ...... آپ کا نام کیا ہے؟''

''یہ تعارف اور تفصیل کا موقع نہیں ہے میڈم۔'' وہ یہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔ ''ویسے میں آپ کی کہی ہوئی بات کا خود خیال رکھوں گا۔''

''مجھے بھی تعارف کا شوق نہیں...... مگر مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسے یہاں سے کون لے کر جا رہا ہے۔'' اس بار میں نے دو قدم آگے بڑھ کر سختی سے پوچھا۔

''کمال ہے...... ابھی میں نے آپ کی جان بچائی اور آپ مجھ پر ہی شک کر رہی ہیں؟'' اس نے مجھے گھورا۔

''اس کا بہت شکریہ مگر مجھے آپ کا نام اور رینک جاننا ہے؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''شمشیر...... شمشیر علی شاہ...... ڈی آئی جی اسپیشل انویسٹی گیشن۔'' وہ ایک لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ ''میں یہاں اس جلسے اور ریلی پر نظر رکھنے آیا تھا اور یہ سب دیکھنے کو ملا......'' اس نے دکھ اور افسوس سے چاروں طرف دیکھا۔ ''اب آپ مطمئن ہیں؟ میں اپنے کام پر جا سکتا ہوں اور ہاں ایک سوال میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں۔''

''ضرور۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کون ہیں؟ کیا آپ کا تعلق کسی ادارے سے ہے؟''

''نہیں...... میں صرف ایک عام پاکستانی شہری ہوں جسے اپنے ملک کی فکر ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ کا بہت شکریہ......'' وہ چند لمحے بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔

''آؤ بٹیا۔'' بابا مجھے سہارا دیتے ہوئے آگے بڑھے۔ ''تم نے گاڑی کہاں کھڑی کی تھی؟''

''وہ...... میں تو گاڑی کے بارے میں بھول ہی گئی تھی۔'' جلسے کی وجہ سے مجھے تھوڑا پیچھے پارکنگ ملی تھی۔''

''ٹھیک ہے سکندر راستے اور ہماری گاڑی کو دیکھ لے گا اور منگوا لے گا گھر......''

''پھر ہم گھر کیسے جائیں گے؟''

''میں نے اسپتال سے گاڑی منگوا لی ہے۔ علی آپریشن میں معروف تھا۔ اس سے بات نہیں ہو سکی مگر گاڑی

آ گئی ہے۔''

''ٹھیک ہے بابا۔''

''سارہ اسپتال چلیں؟ تمہیں زیادہ تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی؟''

''نہیں بابا ایسا کچھ نہیں ہے تھوڑی بہت تکلیف ہے، گھر جا کر دوا لے کر سو جاؤں گی۔ شام تک بہتر ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔ یہ سچ بھی تھا اللہ پاک کی جانب سے مجھے یہ خاص عنایت ہوئی تھی کہ میرے زخم چوٹیں وغیرہ جلد ہی خود بخود بھر جاتے تھے اور یہ بات بابا، کریم علی سب جانتے تھے۔

''انشاء اللہ!'' وہ بولے اور کار سڑک پر موجود بھیڑ میں اپنی جگہ بناتی آگے بڑھتی چلی گئی۔

☆☆☆

غضنفر اس چھوٹے سے کمرے اور اس کی تنہائی سے تنگ آ چکا تھا۔

اس ٹیسٹ کو گزرے آج تیسرا دن تھا اور اس دوران کسی نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اسے وقت پر کھانا اور پانی وغیرہ مل جاتا تھا کمرے میں باتھ روم کی سہولت موجود تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے وہاں ڈال کر بھول گئے ہوں۔ اس نے کھانا پہنچانے اور برتن لے جانے والوں سے بھی بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کی ہر بات کا جواب ایک جامد خاموشی یا ہلکی سی مسکراہٹ سے دیتے تھے۔

اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟

اور کوئی اس سے گفتگو، بات چیت، تفتیش کیوں نہیں کر رہا، یہ سوال اسے پاگل بنائے دے رہا تھا، ایسا تو نہیں کہ کہیں انہوں نے اس پر واقعی کسی دھماکے کی واردات میں لوے افراد کے قتل کا مقدمہ بنا دیا ہو؟

وہ جتنا سوچ رہا تھا، اس کی اُلجھن اتنی ہی بڑھ رہی تھی۔

دوسری طرف کسی نے اس کی خبر گیری نہیں کی تھی۔ یوں تو وہ جانتا تھا کہ ان کے دھندے میں کام کی رشتے داری ہوتی ہے، ہاتھ لگ جانے والے ساتھی کو بھی دشمن ہی گردانا جاتا تھا کیونکہ وہ بچنے والوں کے حق میں دشمن سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

آج اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی سے بات کر کے رہے گا چاہے اس کے لیے اسے کھانا لانے والے کے پیر ہی کیوں نہ پکڑنا پڑیں مگر اس سب کی نوبت ہی نہیں آئی

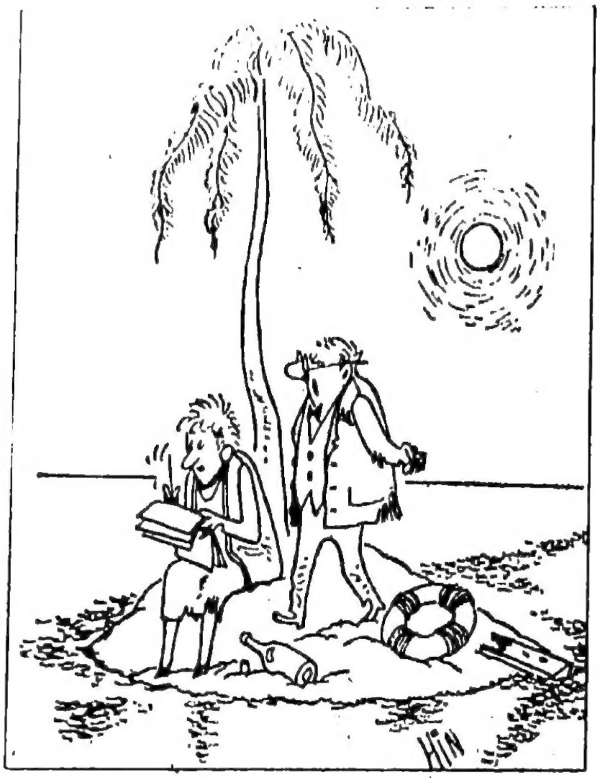

یہاں کتاب پڑھنے آئی ہو...... احمق عورت!

تھی۔ وہ کھانے والے کی آمد کا انتظار کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور میجر عدنان اور اس کے پیچھے کیپٹن شفیق اندر داخل ہوئے۔

''سر......'' وہ انہیں دیکھ کر بے اختیار بولا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''ہاں تو بولو غضنفر۔ کچھ عقل ٹھکانے آئی یا ابھی بھی یادداشت کھوئی ہوئی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے۔ ''ویسے اگر اب بھی تمہیں کچھ یاد نہیں آ رہا تو پھر کیپٹن شفیق کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔''

''کیپٹن کا طریقہ......'' غضنفر نے دہرایا۔

''ہاں، ہاں...... بہت آسان ہے اگر کسی کی یادداشت واپس نہ آ رہی ہو تو یہاں ہم اسے بجلی کے تیز رفتار جھٹکے فراہم کرتے ہیں اور وہ بھی بالکل فری، اس سے ہمیشہ ہی سو فیصد رزلٹ ملتا ہے البتہ کبھی کبھار کوئی کمزور دل اور جسم والا انتقال کر جاتا ہے مگر ایسا سب کے ساتھ نہیں ہوتا۔''

''مم...... میں......'' غضنفر بولتے بولتے رکا۔

''ہاں بولو کیا تم؟''

''میں گواہ بننا چاہتا ہوں۔'' وہ بمشکل بولا۔ ''اگر آپ لوگ مجھے ان سے بچا لیں اور معافی دے دیں تو میں سب سچ سچ بتانے کو تیار ہوں۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ اب تمہارے پاس یہ آفر موجود

ہے؟'' کیپٹن شفیق غرایا۔
''پلیز...... میں ان سے بہت ڈرتا ہوں بہت زیادہ سفاک ہیں وہ۔'' وہ لرز کر بولا۔
''تو کم تو تم بھی نہیں رہے ہو گے۔'' کیپٹن نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ جواب میں غضنفر نے سر جھکا لیا تھا۔
''تو تم سلطانی گواہ بننا چاہتے ہو۔'' میجر عدنان اس دوران پہلی بار بولا۔
''جی سر...... میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ مجھے معلوم ہے بس مجھے آپ کی پناہ درکار ہوگی...... میں آپ کو یہ بھی بتاؤں گا کہ یہاں ان کے کتنے لوگ کام کر رہے ہیں؟ کہاں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟''
''اور اس کے عوض تمہیں کیا چاہیے؟'' میجر نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔
''کچھ خاص نہیں وہی جو سلطانی گواہ کو حاصل ہوتا ہے۔ معافی، پناہ اور سیف ایگزٹ (حفاظت سے نکل جانے)'' غضنفر نے بڑی امید سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
''اوکے۔'' میجر نے چند لمحوں بعد کہا۔ ''اگر تم واقعی ہمارے کام آسکے تو میری پوری کوشش ہوگی کہ تمہیں یہ ساری مراعات مل سکیں مگر اس کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ غیر مشروط تعاون کرنا ہوگا تم کب سے یہ کام کر رہے ہو؟ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کا گروہ کتنا بڑا ہے؟ ان کی سرپرستی کون کر رہا ہے؟ اور ان کے لوگ کہاں چھپ سکتے ہیں اگر تم ہمارے کام آؤ گے تو ہم تمہیں سلطانی گواہ بنا دیں گے۔''
''میں کروں گا سر...... میں خود تنگ آچکا ہوں اشاروں پر ناچ ناچ کے۔'' غضنفر بولا۔
''تو چلو ابتدا حالیہ واقعے سے کرتے ہیں۔ سارہ بی بی کے اغوا میں تمہارے ساتھ موجود وہ دوسرا شخص کون تھا؟ تم اسے کب سے جانتے ہو؟ اور وہ کہاں مل سکتا ہے؟''
''وہ...... وہ دلاور ہے۔'' وہ بے ساختہ انداز میں بولا۔ ''اس کا اس تنظیم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، وہ تو پیسے لے کر کام کرنے والا پروفیشنل ہے اور یہی اس نے اپنا نام بھی بنا رکھا ہے...... جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اسے کامیابی سے نمٹانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔''
''یہ تو تم کہہ رہے ہو...... یوں بھی وہ اور تم دونوں اس مشن میں ناکام رہے اور اس کے نتیجے میں ہی تو تم یہاں ہو۔'' کیپٹن شفیق نے کہا۔ ''پھر سارہ بی بی نہ صرف خود وہاں سے نکلیں بلکہ تمہیں بھی اٹھا کر لے آئیں اور وہ ''پروفیشنل''
کچھ نہیں کر سکا۔''
''اس نے مجھے منع کیا تھا مگر میں اس کے کمرے میں گیا۔'' غضنفر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''پتا نہیں وہ سب کیسے ہو گیا۔''
''مجھے تو یہ دلاور بھی کچھ خاص نہیں لگتا۔'' کیپٹن شفیق ہونٹ سکیڑ کر بولا۔
''نہیں، وہ اس سے پہلے ناممکن کام تنہا کر چکا ہے۔'' غضنفر کو اس کا اندازہ اچھا نہیں لگا۔ اتنے دنوں کی خاموشی اور مرتعش اعصاب اس کو مسلسل گفتگو پر اکسا رہے تھے۔
''کیسے کام؟ اس سے پہلے بھی لوگوں کو اغوا کیا ہوگا...... لوٹ مار چوری چکاری؟''
''نہیں، وہ خفیہ کے بڑے دفتر میں سیف الرحمن کا قتل یاد ہے آپ کو...... کتنا مشکل کام تھا۔'' غضنفر اپنی بات ثابت کرنے کے لیے بولتا چلا گیا۔
''وہ دلاور نے کیا تھا؟'' میجر عدنان نے سوال کیا۔
''تم نے کروایا تھا؟''
''نہیں، اُس وقت یہ معاملات سردار صاحب دیکھ رہے تھے۔''
''کون سردار...... پورا نام بتاؤ۔''
غضنفر نے جواب میں اس کا پورا نام بتایا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور وہ کسی کو بچانے کے لیے خود کو کسی پریشانی میں ڈالنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا یوں بھی اسے ان پر اپنی اہمیت واضح کرنی تھی تاکہ وہ اسے سلطانی گواہ بنا لیں۔
''مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔''
''میں آپ کو سب بتا دوں گا مگر آپ مجھے سلطانی گواہ بنا لیں گے نا...... میں خود اس چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔''
غضنفر اس کا انحصار تمہارے رویّے پر ہے، یہ یاد رکھو کہ تم بارگیننگ کی پوزیشن میں نہیں ہو۔'' میجر عدنان نے کہا۔ ''پھر تم ایک بار جھوٹا ڈراما کر چکے ہو۔''
''میں جانتا ہوں سر۔'' غضنفر بولا۔ ''وہ مجبوری تھی، اگر انہیں یہ بھنک بھی مل گئی کہ میں نے زبان کھول دی ہے تو وہ مجھے مروا دیں گے۔''
''اس بات سے مطمئن رہو تم۔'' کیپٹن شفیق نے کہا۔ ''وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکیں گے مگر تمہیں ہر سوال کا مکمل جواب دینا ہوگا۔ یہی اب تمہاری بقا کے لیے ضروری ہے۔''
''میں جانتا ہوں۔'' غضنفر نے کہا۔ ''آپ جو پوچھیں گے میں بتانے کو تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میجر نے کہا۔ اس کی نگاہیں غضنفر کے چہرے پر جمی تھیں۔

☆☆☆

اسے ہوش آیا تو وہ بستر پر تھا، وہ چند لمحے چھت پر گھومتے پنکھے کو دیکھتا رہا۔

یہ کون سی جگہ ہے؟ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ اس سوچ کے آتے ہی اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی مگر تیزی سے حرکت نے اس کے کندھے میں آگ سی لگا دی تھی۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا۔ اس کے کندھے اور سینے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہوئے واقعے کی فلم سی چل رہی تھی۔ اس کا دوست دھماکے میں اڑ کر ہلاک ہو گیا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی لاشیں تھیں۔ خون، آگ، دھواں اور چیخ و پکار تھی...... پھر اس کے فون کا دوبارہ بجنا...... اس نے خوف زدہ ہو کر فون دور اچھال دیا تھا اور بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ چند منٹوں بعد دوسرا دھماکا ہوا اس کے بعد موت کا اندھا ناچ...... اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''یہ ان سے کیا ہو گیا تھا؟'' اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں...... اب اس کے سامنے وہ لڑکی تھی۔ خوب صورت...... بہت مضبوط...... وہ اس کا گلا دبا رہا تھا۔

''یہ میں نے کیا کیا؟ وہ تصور میں خود اپنے آپ کو اور اپنی حرکت کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ یہ سب کیسے کر گزرا تھا؟ اس میں اتنی ہمت کیسے آئی؟ اتنی طاقت؟ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ کیا اس نے اسے مار ڈالا تھا؟

''کوئی...... کک کوئی ہے؟'' وہ بالآخر گڑبڑا کر چیخ پڑا۔ ''کوئی آؤ...... کوئی ہے؟''

''کیا بات ہے؟ کیا تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟'' ایک نرم آواز نے اس کی ہمت بندھائی۔

اس نے غور سے اس کی جانب دیکھا، وہ سفید لباس میں ملبوس تھی اور غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کک...... کیا میں مر گیا ہوں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں تم زندہ ہو...... جو مر جاتے ہیں، ان کا اسپتالوں میں علاج نہیں ہو سکتا۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''میں...... میں اسپتال میں ہوں؟ مجھے گولی لگی تھی۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''میں اس لڑکی کو مار رہا تھا مجھے...... مجھے کچھ ہو گیا تھا...... میرا دوست خالد...... وہ مر گیا...... دھماکا ہو گیا تھا...... میں بھی مر جاتا...... انہوں نے پھنسایا ہمیں......'' وہ بے ترتیب انداز میں بولے جا رہا تھا۔ ''خون تھا سب مر گئے...... آگ تھی آگ...... خالد مر گیا۔'' کہتے کہتے اس کے جسم کو جھٹکے سے لگنے شروع ہو گئے۔

''ماں...... ماں......''

''ارے...... پُرسکون رہیں...... اس طرح آپ کا زخم خراب ہو جائے گا...... ارے......'' نرس نے اسے گرنے سے بچانے کے لیے بستر کے ساتھ موجود گارڈ ریل کو کھڑا کیا اور تیزی سے دروازے کی جانب لپکی۔

''ڈاکٹر...... ڈاکٹر پیشنٹ کو فٹس آ رہے ہیں۔'' اس نے کاؤنٹر پر جا کر کہا اور پھر کمرے کی جانب مڑی۔ دو لمحوں میں ڈاکٹر کمرے کے اندر موجود تھے۔ اس کی حالت ویسی ہی تھی مگر اب اس کے منہ سے الفاظ کے بجائے عجیب سی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

''نرس...... انجکشن ریڈی کرو۔'' ڈاکٹر نے انجکشن کا نام بتاتے ہوئے کہا۔

''انجکشن لگتے ہی وہ پُرسکون سا ہو گیا اور پھر اس کی تیزی سے حرکت کرتی پتلیوں نے پلکوں میں پناہ لے لی۔

☆☆☆

''تم نے اُسے چھوڑ کیسے دیا؟'' علی میرے گلے کا معائنہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ویسے تو تم نے کافی ہیل (بہتر) کر لیا ہے مگر یہ نشان اتنی جلد نہیں جائیں گے...... شکر ہے کہ اندرونی چوٹوں کے آثار نظر نہیں آ رہے، تم کو کچھ نگلتے یا بولتے ہوئے تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی؟''

''نہیں اب تو نہیں...... جب ہم واپس آئے تب ہو رہی تھی...... اب تو میں بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''شکر ہے مگر اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اگر تمہاری جگہ کوئی عام نارمل انسان ہوتا تو دو دن تک بول نہیں پاتا۔''

''یعنی...... میں ایب نارمل ہوں؟'' میں نے اُسے گھورا۔

''مطلب اچھے سینس میں ''ایب نارمل'' جیسے مارول کے کردار ہوتے ہیں۔'' وہ گڑبڑانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔ ''دیومالائی...... سُپر ہیرو۔''

''ہوں...... پھر ٹھیک ہے۔'' میں مسکرائی۔

''وہ اب کہاں ہے؟''

''پولیس کی تحویل میں ہے، وہاں کوئی شمشیر علی شاہ نام کا آفیسر ہے اس کے پاس ہے۔ میں نے اسے محتاط

رہنے کو کہا تو ہے مگر اب ہمیں نہیں معلوم کہ وہ خود کیسا آدمی ہے؟ مجھے یقین ہے کہ وہ اس سب کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں معلوم کرتا ہوں کہ کیا چل رہا ہے؟'' علی نے جواب دیا۔ ''ویسے اس بم دھماکے نے بلکہ دھماکوں نے بہت جانی نقصان کیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس کے پیچھے ڈوری ہلانے والے ہاتھوں کو لالچی کٹھ پتلیاں ہم میں سے ہی مل جاتی ہیں۔''

''مگر وہ بہت کم عمر تھا، مشکل سے سولہ سترہ کا ہوگا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اسے کوئی استعمال کر رہا ہوگا۔''

''وہ تو ہے ہی مگر سولہ سترہ سالہ لڑکے میں اتنی طاقت......''

''علی اس بات پر میں خود حیران ہوں۔ اسے لڑنا نہیں آتا تھا میرا مطلب ہے کہ وہ تربیت یافتہ نہیں تھا مگر اس کے باوجود ایک عجیب سی غیر انسانی طاقت اور روبوٹ جیسا انداز تھا اُس کا۔ اسی چیز نے تو مجھے اس کی جانب متوجہ کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی خاص دوا یا نشہ دیا گیا ہو، اگر اس کا بروقت ٹیسٹ ہو جائے تو یہ معلوم ہو سکتا ہے۔''

''تو معلوم کرو پلیز...... کسی نہ کسی سے وہ ملا ہوگا۔ اگر ایسا معاملہ ہے تو وہ اُس جگہ یا اُس بندے تک لے جا سکتا ہے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''عین ممکن ہے...... مگر تمہیں صرف آرام کرنا ہے۔ میں معلومات کر کے تمہیں خود بتاؤں گا، آج کریم سے بات نہیں ہوئی اب وہ بھی واپس آنے والا ہوگا۔''

''ہاں، میرا ذہن اُس لڑکے اور جو حالات میں سڑک پر دیکھ آئی تھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔''

''بابا کی بھی طبیعت کچھ بہتر نہیں لگ رہی تھی۔'' علی بلڈ پریشر کے آلے کو سمیٹتے ہوئے بولا۔

''ظاہر ہے ایک تو اتنی بھاگ دوڑ ہوئی پھر اتنا بڑا سانحہ اور پھر یہ لڑائی۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بابا کی فکر ہو رہی تھی کہ کہیں انہیں کچھ نہ ہو جائے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' علی نے کہا۔ ''ویسے میں نے انہیں سکون آور دوا دی ہے۔ آرام کریں گے تو طبیعت بہتر ہو جائے گی۔''

''تم معلوم کر رہے ہو نا؟'' میں نے اس کے باہر نکلنے سے پہلے پوچھا۔

''ہاں، ہاں بالکل...... بتاؤں گا تمہیں...... تم فی الحال صرف آرام کرو۔''

''او کے۔'' میں مسکرا کر بولی۔

میری گردن پر اس کے ہاتھوں کے نشان موجود تھے جن میں ہلکی سی جلن موجود تھی۔ جسم پر بھی کچھ چوٹیں لگی تھیں مگر میں خود کو بالکل بہتر محسوس کر رہی تھی۔ علی کے جانے کے بعد میں نے اٹھ کر پانی پیا اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ چند لمحوں بعد میں دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی اور سامنے موجود ایل ای ڈی کو آن کیا۔ ''نیوز چینل پر بریکنگ نیوز آ رہی تھی۔

''شہر میں ہنگامے...... فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے...... مختلف علاقوں میں کئی افراد کو چاقو گھونپنے کی وارداتیں......''

اسکرین پر سرخ رنگ میں ڈوبے سفید الفاظ اور اینکر کی تیز کانوں کو چبھتی ہوئی آواز میری سماعت و بصارت دونوں کو زخمی کر رہی تھی۔

''کیسے لوگ ہیں ہم......؟ کتنا آسان ہے ہمارے جذبات سے کھیلنا...... کوئی بھی شخص، ادارہ، تنظیم بڑی آسانی سے ہمیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔'' میں نے افسوس سے سوچا۔ ''یہ جو کچھ ہوا تھا، اس کے یقیناً وہی لوگ ذمے دار تھے جو اس ملک کو، یہاں کے لوگوں کو ختم کرنے کا مشن لے کر آئے تھے مگر ہم ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہو رہے تھے۔ میں نے ٹی وی آف کر دیا اور بستر پر دراز ہو گئی۔

گزشتہ کافی عرصے سے زندگی اتنی فاسٹ فارورڈ میں چل رہی تھی کہ کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں مل رہا تھا۔ مجھے اپنے دفتر گئے اپنے کام پر توجہ دیے شاید مہینے ہو گئے تھے۔ اس گھر میں شفٹنگ کے بعد کچھ عرصے احتیاط کے طور پر میں اپنے کام سے دور رہی تھی پھر کچھ نہ کچھ مسلسل ہو رہا تھا۔ اتنے عرصے میں، میں بابا کا پرانا گھر بھی دیکھنے نہیں جا سکی تھی۔ اُس گھر سے میری بہت سی یادیں جڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس گھر سے ہی میرا اپنا جنم ہوا تھا۔ ایک خوف زدہ، ڈری سہی اور نا امید سارہ کی جگہ ایک پُرعزم...... فیصلے کی طاقت رکھنے والی اور باشعور سارہ نے لی تھی۔ باقاعدہ تربیت نے مجھے اپنی حفاظت کرنا بلکہ دوسروں کی حفاظت کرنا بھی سکھا دیا تھا۔ بابا کے دشمنوں نے ہمیں اپنی زمین کا رکھوالا بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ کبھی کبھی دشمن بھی سیدھی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اگر ابراہام بابا کو

دھمکیاں نہ دیا کرتا، ان پر حملے نہ کرواتا رہتا تو شاید ہم تینوں اور بالخصوص میں آج اس راستے پر نہ ہوتے۔ اب کافی عرصے سے اس کی جانب سے مکمل خاموشی تھی۔ حتیٰ کہ کوئی فون بھی نہیں آرہا تھا۔

''حالات بہتر ہوتے ہی میں اس گھر کا چکر لگاؤں گی۔'' میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔ گھر کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو گاؤں کے اس گھر کی طرف چلی گئی جہاں میں نے جنم لیا تھا اور جہاں سے مجھے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑا تھا۔ اسٹیشن پر مجھے ڈھونڈتے ہوئے بھائی کی وہ آخری جھلک آج بھی میرے ذہن میں تازہ تھی۔ اُس کے چہرے پر سفاکی، غصہ اور نفرت کندہ تھی۔ میں نے اس کے منصوبے کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ نہ جانے اس دن اس شام کے بعد وہاں کیا ہوا ہوگا۔ اب میں اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس نے میرے جان بچا کر بھاگنے کو فرار کا نام دیا ہوگا اور گاؤں والوں نے اس کی غیرت کو سراہا ہوگا۔ پتا نہیں اماں ابا اب زندہ بھی ہوں گے کہ نہیں...... میرے لیے تو وہ اسی دن مر گئے تھے جب انہوں نے بھائی کے کہنے پر میرے قتل پر اتفاق رائے کرلیا تھا اور وہ جسے اس عمر میں، میں نے اپنی زندگی مان لیا تھا نہ جانے اُس نے اس سب پر کیا سوچا ہوگا؟ ذہن میں ایک خیال نے چٹکی لی...... جو بھی سوچا ہو، میرے دل نے اس سوال کا جواب خود ہی دے دیا مگر مجھے میرے مالک نے ایک نئی زندگی دی، مشکلات سے گزار کر مجھے بابا کے پاس پہنچایا جہاں مجھے سب کچھ ملا اور کریم بھی......

کریم کا نام مسکراہٹ بن کر میرے ہونٹوں پر پھیل گیا اور پھر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

جیمز بہت خوش نظر آرہا تھا۔

اس کا مشن انتہائی کامیاب رہا تھا۔ ان دھماکوں کی بازگشت پوری دنیا میں سنی جا چکی تھی۔ کتنے ہی ممالک نے ایک ہی دن میں اس ملک میں جانے کو خطرناک قرار دے دیا تھا۔ جونز نے اسے شاباشی کا پیغام بھی بھیجا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا بونس پکا تھا۔

وہ مکمل طور پر محفوظ بھی تھا۔ وہ لڑکے دھماکے میں اُڑ چکے تھے صرف وہ ڈاکٹر اس سے واقف تھا مگر وہ جونز کا آدمی تھا اس لیے اسے اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ اپنے پسندیدہ مشروب سے لطف اندوز ہورہا تھا۔ اسے جونز کی کال کا انتظار تھا جس کے بعد وہ اپنے تیار کردہ من پسند ڈنر کا مزہ لینے والا تھا۔

جونز کی کال کچھ تاخیر سے آہی گئی۔

''حکم جونز......'' جیمز نے رسمی گفتگو کے بعد مدعے پر آتے ہوئے پوچھا۔

''حکم یہ ہے کہ اب آرام کا موقع نہیں ہے، تمہیں فوراً دوسرے ٹارگٹ پر کام شروع کرنا ہے۔'' وہ بولا۔

''فوراً......''

''ہاں فوراً...... باس کا تو تمہیں علم ہے، اُکھڑا ہوا ہے چھاؤنی والے چکر میں۔'' وہ بولا۔ ''ویسے تو یہاں اس وقت ہمارے لوگ کافی کم ہیں ٹیم بھی انڈر گراؤنڈ ہے مگر باس کا حکم یہ ہے کہ یہاں مسلسل شو جاری رہے۔''

''اوکے...... باس کا حکم ہے اور ہمارا حکم کی تعمیل...... پروگرام بتا دیں۔'' جیمز نے سادگی سے کہا۔

''مشہور سوشل ورکر سجاد احمد شیرانی کو اُڑانا ہے۔''

''سجاد احمد؟'' جیمز نے اس کا نام دہرایا۔

''یہاں کا مشہور بندہ ہے، دولت مند، بزنس مین بھی ہے اور ایک فرقے میں بہت پسند کیا جاتا ہے، اس کی موت بڑا دنگل کھڑا کرے گی۔''

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی سیکورٹی بہت ٹائٹ رہتی ہے۔''

''بالکل وہی ہے۔'' جونز کی آواز سنائی دی۔

''کیا مجھے اسی ڈاکٹر سے رابطہ کرنا ہوگا؟'' جیمز نے پوچھا۔

''نہیں، وہ اس میں مدد نہیں کرسکتا مگر میرے ذہن میں ایک شخص ہے اگر تم اس تک پہنچ گئے تو وہ یہ کام بہ آسانی کردے گا۔'' جونز بولا۔

''کس طرح رابطہ ہوسکتا ہے اُس سے؟''

''اس کا نمبر میرے پاس تو ہے تم اگر زورین سے رابطہ کرسکو تو وہ تمہیں اس معاملے میں بہت عمدگی سے گائڈ کر سکے گی۔''

''مگر اسے تو انڈر گراؤنڈ کردیا گیا تھا، وہ اب یہاں موجود ہے؟''

''بالکل موجود ہے اُسے صرف کام سے روکا گیا تھا فی الحال واپس نہیں بھیجا گیا ہے اور ہاں اس کا فون تبدیل کردیا گیا تھا، وہ فون کہاں ہے؟''

''وہ موجود ہے میں نے ہدایات کے مطابق اسے آن نہیں کیا۔''

''گڈ...... فی الحال اسے استعمال نہیں کرنا، ہاں

زورین سے رابطے کی اجازت ملی ہے، اُس سے رابطہ کرو، وہ تمہیں اس شخص کا نمبر وغیرہ فراہم کر دے گی۔"
"کس شخص کا؟" جیمز نے روانی میں پوچھا۔
"جیمز فوکس کرنا سیکھو۔" جونز غرایا۔
"اوہ ہاں، سوری، میں مکس کر گیا تھا چیزوں کو...... اس شخص کا نام کیا ہے؟"
"اس کا نام دلاور ہے۔" جونز نے کہا۔ "اس مشن میں تمہیں اُس کی ضرورت پڑے گی۔" جونز نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

اسے چھپتے پھرتے کئی دن ہو گئے تھے۔ یہ اس کے مزاج اور سوچ کے خلاف تھا مگر اس لڑکی کے حیرت انگیز طریقے سے فرار اور غضنفر کے اغوا نے اسے اس پر مجبور کر دیا تھا۔

غضنفر اگر منہ کھول دیتا تو اس کے لیے خطرہ ہو سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے اپنا گھر چھوڑ کر اس فضول سے ریسٹ ہاؤس میں رہنا پڑ رہا تھا۔

وہ ہر چیز میں بہترین کا شوقین تھا۔ اس کا اپارٹمنٹ چھوٹا تھا مگر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک مہنگی اور بہترین عمارت کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔ اسے اسٹیک اور آرٹ کا شوق بھی تھا اور اس کا گھر کسی چھوٹے موٹے میوزیم اور گیلری سے کم نہیں تھا۔

وہ ایک وقت میں ایک ہی "پروجیکٹ" پر کام کرتا تھا اس لیے اس کے پاس غضنفر کے کام کے سوا اس وقت کوئی اور کام بھی نہیں تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ وہ بچت کا عادی تھا۔ لہٰذا اس کے پاس اتنی رقم موجود تھی کہ وہ بہ آسانی پورا سال سکون سے بیٹھ کر بھی گزار سکتا تھا۔

"نہ جانے غضنفر کہاں اور کس حال میں ہوگا؟" اس نے سوچا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے چیک کرے گا۔ ویسے تو دلاور کو خود بھی اس میں کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آیا تھا مگر جب وہ غضنفر سمیت اس کی گاڑی میں ہی بیٹھ کر غائب ہو گئی تو اسے کافی دیر تک خود بھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ ایسی شکست اسے زندگی میں پہلی بار ہوئی تھی اور وہ اسے آسانی سے بھول نہیں سکتا۔ یہاں سے نکلتے ہی اس کا پہلا کام اس کو تلاش کرنا تھا۔ وہ اس ہار کا انتقام ضرور لینا چاہتا تھا مگر فی الحال یہ اس کے لیے بہترین موقع نہیں تھا۔

"کافی کی طلب نے اسے کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا وہ ابھی کافی میکر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر ایک نمبر چمک رہا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو دلاور......" دوسری طرف ایک غیر ملکی نسوانی آواز نے اسے حیران کر دیا۔

"جی میں دلاور بول رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"دلاور میں زورین ہوں شاید غضنفر نے تم سے میرا ذکر کیا ہو...... وہ ہمارے لیے کام کرتا ہے...... میں کچھ عرصے سے ملک سے باہر ہوں...... ایک کام کے سلسلے میں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میڈم کیا آپ کا غضنفر سے کوئی رابطہ نہیں ہے؟" دلاور نے پوچھا۔

"نہیں، کچھ عرصے سے نہیں ہے...... مگر میں اُس سے رابطہ کر لوں گی۔"

"مت کیجیے گا۔" وہ بے اختیار بولا۔

"کیا مطلب؟ تم یہ کیوں کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ وہ یہاں کے خفیہ ادارے کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔" وہ بولا۔ یہ خبر سن کر زورین چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

"کیسے؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں، میں ہی بتا سکتا ہوں۔" دلاور نے کہا۔ "آپ نے ایک لڑکی کے حوالے سے اسے کوئی اسائنمنٹ دیا تھا۔ ہم اسے اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ آپ سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے غضنفر نے اسے کہیں اور رکھا، ہوش میں آنے کے بعد اس نے کسی طرح خود کو آزاد کیا، غضنفر پر قابو پایا اور اس کی گاڑی میں ڈال کر اپنے ساتھ لے گئی۔"

"کیا...... تم کہاں تھے اس وقت......؟" زورین نے تڑخ کر پوچھا۔

"وہیں تھا مگر اپنے کمرے میں تھا، مجھے علم نہیں ہو سکا اور جب شک ہوا تو گاڑی نکل چکی تھی۔ اس کے بعد میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔"

"اوہ......" یہ تو بُرا ہوا۔"

"بالکل۔" دلاور بولا۔

"یوں تو تم بھی خطرے میں ہو گے؟"

"نہیں، میں اس کے بعد گھر نہیں گیا ویسے میری

معلومات کے مطابق وہاں کوئی مسئلہ ہوا بھی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غضنفر نے انہیں کچھ نہیں بتایا ہے۔''

''ہوسکتا ہے مگر یہ بہت رسکی (خطرناک) ہے تمہیں وہاں فی الحال بالکل نہیں جانا چاہیے خصوصاً اس صورت میں جبکہ تم ہمارے لیے کام بھی کر رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے آپ کام بتایئے۔'' وہ یوں بھی بہت بوریت محسوس کر رہا تھا۔

''وہ تم کو کل بتا دیا جائے گا، تم اس کے لیے خود کو تیار کرو۔''

''ٹھیک ہے۔''

''تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟'' زورین نے پوچھا۔

''میں......'' دلاور ایک لمحے کو ہچکچایا۔ وہ اس عورت کا ذکر سن چکا تھا مگر اس سے کبھی ملا نہیں تھا اور اس وقت کسی پر بھروسا کرنا خطرناک ہوسکتا تھا۔

''گھبراؤ نہیں ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں...... اس سوال کا مقصد ہے، اسی لیے پوچھا ہے اور اگر تم بتانا نہیں چاہتے تو کل لوکل ٹرین کے اسٹیشن نمبر 3 پر پہنچ جانا۔''

''یہ زیادہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے وہاں ایک شخص تم سے ملے گا، وہ اسٹیشن پر موجود بینچز میں سے نمبر 2 پر بیٹھا ہوگا اور اس کے پاس ایک کالا بریف کیس ہوگا۔ تمہیں دوپہر دو بجے وہاں موجود ہونا چاہیے۔''

''میں آجاؤں گا۔'' دلاور بولا۔ ''مگر وہ مجھے کیسے پہچانے گا؟''

''ویری سمپل، اپنی ایک سیلفی بنا کر اس نمبر پر بھیج دو، امید ہے کہ تم اس سے خوف زدہ نہیں ہوگے؟'' زورین نے پوچھا۔

''دلاور خوف زدہ نہیں ہوتا۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''گڈ تو پھر سیلفی بھیج دو...... گڈ نائٹ۔'' زورین نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ دلاور چند لمحے فون کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنی سیلفی بنائی اور اس نمبر پر واٹس ایپ کر دی۔

اُسے اب کل دوپہر کا انتظار تھا۔

☆☆☆

شہر کی صورت حال لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جا رہی تھی۔ دھماکوں میں ستر سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے تھے جن میں کئی رہنما بھی شامل تھے۔ جن کے پرستار غم و غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ بے شمار زخمیوں کی وجہ سے اسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ تھی۔ کئی زخمیوں کی حالت نازک تھی۔

ایک طرف تو یہ حالات تھے، دوسری جانب شہر میں کئی جگہ فرقہ ورانہ فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ بالخصوص جہاں سے یہ سب شروع ہوا تھا وہاں تو غیر اعلانیہ کرفیو سا لگانا پڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود کئی افراد پر چاقوؤں سے شدید حملے ہوئے تھے۔ کئی جگہ بات جھگڑے مار پیٹ اور فائرنگ تک جا پہنچی تھی۔

ڈی آئی جی انویسٹی گیشن شمشیر علی شاہ مسلسل ڈیوٹی پر تھا۔ اب وہ اسپتال کی جانب جا رہا تھا۔ ابتدائی رپورٹس کے مطابق دونوں دھماکے خودکش تھے اور کسی موبائل کے ذریعے کیے گئے تھے جن میں ایک خودکش بمبار ان کا شکار ہوا تھا جس کی عمر لگ بھگ سولہ سترہ سال بتائی جا رہی تھی جبکہ دوسرے کے معاملے میں خاص تفصیلات نہیں تھیں۔

اس کے ذہن میں اس خوب صورت لڑکی کے الفاظ بار بار گونج رہے تھے جس میں وہ اس لڑکے کے بارے میں اسے متنبہ کر رہی تھی۔

اس کے اسپتال پہنچتے ہی ڈاکٹرز نے اسے اس زخمی لڑکے کے لیے مخصوص کمرے میں پہنچا دیا۔ سیکیورٹی کے نقطہ نظر سے اسے ایک الگ تھلگ کرا دیا گیا تھا جہاں پولیس کا سخت پہرا تھا۔ مخصوص نرس اور ڈاکٹرز کے سوا کوئی کمرے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا اور یہ سب شمشیر کے حکم کے مطابق ہو رہا تھا۔ پولیس ڈپارٹمنٹ میں بھی چند ہی لوگوں کو اس لڑکے کے زندہ یہاں ہونے کا علم تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ لڑکا ہوش میں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ کچھ سہم سا گیا۔

''شاید اس نے اسے گولی چلاتے ہوئے دیکھا ہو۔'' اس نے سوچا۔

''آپ لوگ باہر جائیں۔'' اس نے کمرے میں موجود ڈاکٹر اور نرس سے کہا جو فوراً ہی کمرے سے نکل گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ سولہ سال کی عمر کا لڑکا تھا۔ اس کا چہرہ غذائی کمی کا شکار نظر آ رہا تھا۔ اب تو خون بہنے اور اس ساری اُفتاد نے اسے پیلیا کا مریض بنا دیا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' چند لمحے اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے پہلا سوال کیا۔ یہاں آتے ہوئے وہ سخت طیش میں تھا مگر اس کی حالت اور شکل دیکھ کر اب وہ خود عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

''پپ پرویز......'' وہ ہکلا کر بولا۔

"تو پرویز تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟" اس کی آواز کچھ بلند ہوگئی تھی۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔" وہ بمشکل بولا۔ "سچ، سچ بول رہا ہوں اماں کی قسم......" اس کی آواز لرز رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"سر ڈراما کر رہا ہے...... مجھے اجازت دیں ابھی سچ نکلواتا ہوں۔" دروازے پر کھڑے اے ایس آئی نے کہا۔

"نن، نہیں جھوٹ نہیں بول رہا سر......"

"تم خاموش رہو شہباز اور کمرے سے باہر جاؤ......" شمشیر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا، اس کی نگاہیں پرویز پر جمی ہوئی تھیں۔

"سر میں آپ کے لیے یہاں کھڑا تھا۔" وہ بولا۔

"تو میں ہی تمہیں باہر جانے کو کہہ رہا ہوں۔" شمشیر نے نرمی سے کہا۔ اس کے باہر جانے کے بعد وہ پرویز کی جانب دوبارہ متوجہ ہوا۔ "تو کیا کہہ رہے تھے تم......؟ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"جی سر...... مم میں آپ کو پوری بات بتاتا ہوں۔"

"ہاں بولو......" وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مگر سچ بولنا ورنہ اس بار گولی کندھے میں نہیں لگے گی۔"

"جج جی سر...... مجھے اور امجد کو کام کی ضرورت تھی۔"

"یہ امجد کون ہے؟" شمشیر نے پوچھا۔ اس نے موبائل کا طاقتور ٹیپ ریکارڈر آن کر کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"امجد میرا دوست تھا...... بچپن کا دوست، محلے دار۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "ہمیں رفیق بھائی نے بتایا کہ ایک چھوٹا سا کام مل رہا ہے اس کے اچھے پیسے مل جائیں گے، رفیق بھائی بھی محلے میں رہتے ہیں۔ ہم نے ہاں کہہ دی...... اگلے دن ایک آدمی نے ہمیں سڑک پر آنے کو کہا اور پھر اپنے ساتھ ایک بنگلے میں لے گیا...... وہاں...... وہاں ایک اور آدمی بھی تھا وہ ڈاکٹر تھا صاب......"

"یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟" شمشیر نے پوچھا۔

"اس نے مجھے اور امجد کو ٹیکے لگائے تھے۔"

"ٹیکے......؟"

"جی ٹیکے...... انجکشن...... ہم دونوں لگانے سے ڈر رہے تھے، میں تو بہت ڈر رہا تھا مگر انہوں نے کہا کہ کورونا کا بوسٹر ہے، ضروری لگوانا پڑے گا ورنہ کام نہیں ملے گا...... میری ماں بیمار ہے، مجھے کام کی پیسے کی بہت ضرورت تھی۔ تو ہم راضی ہو گئے۔" وہ کھانسی کی وجہ سے رکا۔

شمشیر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس نے ہمیں دو موبائل بھی دیے تھے اور جگہ بتائی تھی۔ جہاں ہمیں کھڑا ہونا تھا۔"

"کون سی جگہ؟"

"بڑے ٹرک کے پاس جس پر سارے لوگ تقریر کر رہے تھے...... امجد کو الگ راستے سے بھیجا تھا اور مجھے الگ...... ہمارا کام صرف یہ تھا کہ اس جگہ پر پہنچنا تھا اور موبائل پر آنے والی کال کو سننا تھا بس...... اس کام کے ایک لاکھ روپے ملنے والے تھے۔ میں جا رہا تھا تو اُس لڑکی نے روک لیا...... اب سوچتا ہوں تو شرم آتی ہے اپنے آپ پر......"

"کس بات پر؟"

"اس نے تو میری جان بچائی۔" وہ رو کر بولا۔

"جان بچائی؟ وہ کیسے؟"

"اس نے مجھے پکڑ لیا اور مجھ سے موبائل مانگنے لگی۔ میرے اندر تو آگ لگی ہوئی تھی جو ٹیکے انہوں نے لگائے تھے نا اس کے بعد سے ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کو مٹا دینے کی طاقت آ گئی ہو، میں ڈان بن گیا تھا، اس کے روکنے کے بعد ہمارا جھگڑا ہو گیا، تو پولیس آ گئی...... میں پھر بھی بھاگا مگر فون میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اتنے میں دھماکا ہو گیا...... میں نے امجد کو آگ کے گولے کے ساتھ ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھا صاب وہ تو صرف سبزی کا ٹھیلا لگانا چاہتا تھا۔" وہ مسلسل رو رہا تھا۔ "تب میری سمجھ میں آیا کہ کیا ہوا ہے۔ اسی وقت زمین پر پڑا موبائل بجا میں اس سے دور بھاگا پتا نہیں کس طرح وہ ریسیو ہوا اور دوسرا دھماکا ہو گیا...... میں ڈر کر بھاگ رہا تھا کہ پھر اس لڑکی نے مجھے روک لیا اور پھر آپ آ گئے۔"

"پرویز اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو تمہیں صرف اتنی ہی سزا ملے گی جتنا تمہارا قصور ہے اور یہ میرا وعدہ ہے۔" شمشیر نے بھاری آواز میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں صاحب۔"

"تمہیں، ہمیں اس مکان تک لے جانا ہوگا جہاں تمہیں لے جایا گیا تھا، راستہ یاد ہے؟"

"ہاں صاب میں لے جاؤں گا...... مجھے وہ گھر اور راستہ دونوں یاد ہیں۔"

"اور اس رفیق سے بھی ملواؤ گے تم۔"

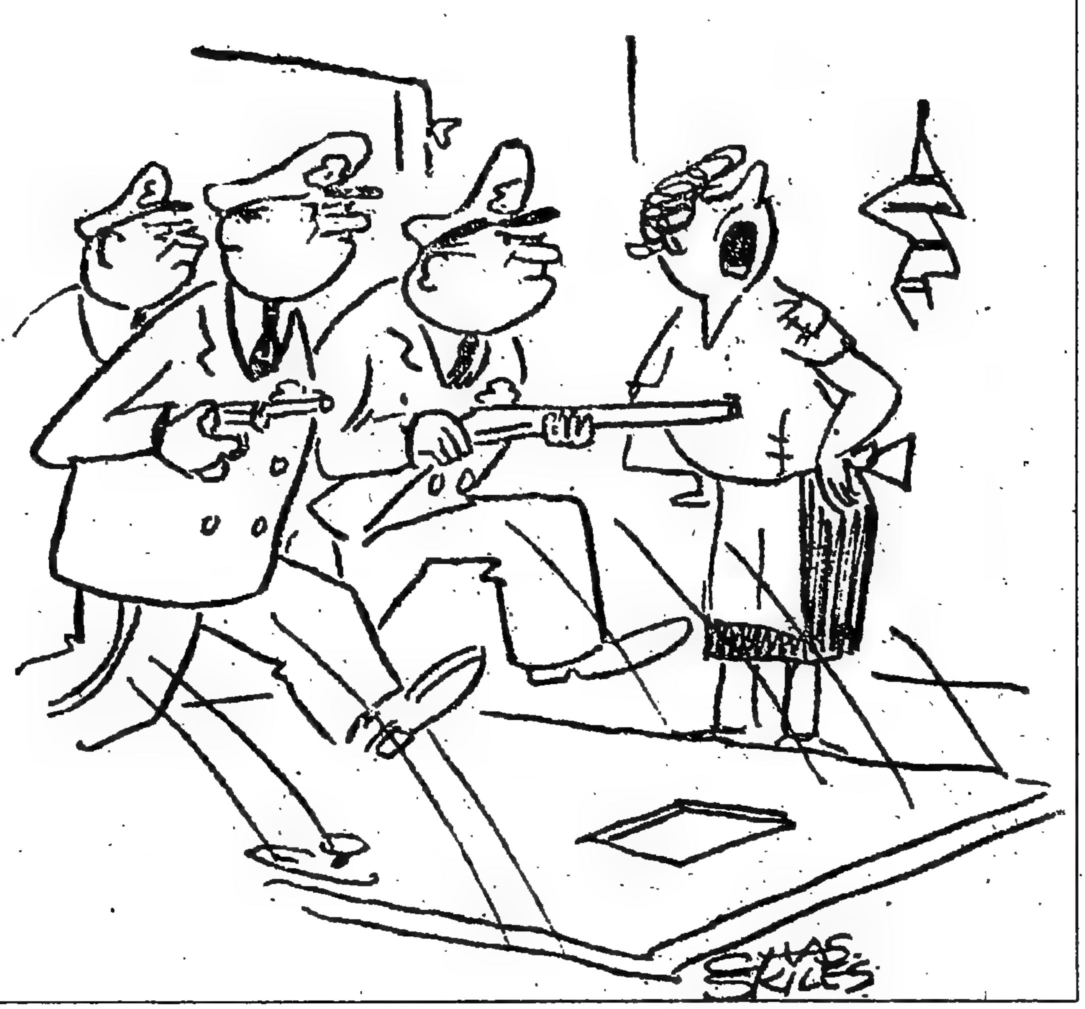

برتن دھونا بند کرو اور ہینڈز اپ کر کے باہر آ جاؤ

"جی صاب......" پرویز نے جواب دیا۔

"مگر اس سب سے پہلے ایک ضروری کام......" شمشیر نے دروازہ کھول کر شہباز کو پکارا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

"یس سر۔" وہ سیلوٹ مار کر سیدھا نکل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب اسے ایک انجکشن لگایا گیا تھا آپ اس کے وہ ٹیسٹ کیجیے جن سے معلوم ہو سکے کہ اس کے سسٹم میں کون سی دوا داخل ہوئی تھی، کیا یہ ممکن ہے؟" ڈاکٹر کے آتے ہی شمشیر نے پوچھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ممکن ہے مگر ڈاکٹر سے یہ جاننا ضروری تھا۔

"بالکل ممکن ہے سر۔ میں ابھی ٹیسٹ کرواتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، اس کی رپورٹ جتنی جلد ممکن ہو، نکلوائیے اور اپنے مریض کا خیال رکھیے، یہ ہمارے لیے قیمتی ہے، آپ کے ضروری اسٹاف کو آپ نے متنبہ کر دیا ہوگا یقیناً۔"

"بالکل ڈی آئی جی صاحب...... اس بارے میں ایک حرف بھی اس کمرے اور فلور سے باہر نہیں جائے گا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"اوکے...... پرویز...... میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں، تمہیں ہمیں اس مکان تک لے جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے سر......" وہ بولا۔ شمشیر سے گفتگو کے بعد اس کا خوف قدرے کم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دلاور وقت سے پہلے ہی لوکل ٹرین کے اسٹیشن پر پہنچ گیا تھا۔ وہ دو نمبر کی بینچ سے کچھ ہی فاصلے پر موجود چائے والے کے ٹھیلے کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا، اس کی نگاہیں بینچ پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹھیک دو بجے ایک نوجوان اس بینچ پر آ کر بیٹھا، اس کے ہاتھ میں ایک کالا بریف کیس موجود تھا۔ دلاور چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر چائے والے کو پیسے کی ادائیگی کر کے بینچ نمبر دو کی جانب بڑھا۔

اس کے قریب پہنچتے ہی وہ نوجوان کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس آپ کی امانت ہے۔ وہ آپ لے لیں۔"

''میری امانت......'' دلاور نے حیرت سے پوچھا۔
''جی، جی......'' وہ دوبارہ مسکرایا اور بریف کیس کھول کر اس میں سے ایک تھیلا نکال کر دلاور کی جانب بڑھا دیا۔
''اس میں کیا ہے؟'' دلاور نے تھیلا لیے بغیر پوچھا۔
''اسے آپ کے لیے بھجوایا گیا ہے یقیناً اس میں کچھ تفصیلات اور کوئی ضروری سامان ہوگا۔'' وہ بولا۔ ''اگر آپ چاہیں تو میڈم سے بات کرلیں۔''
''مگر مجھے یہ بتایا نہیں گیا تھا۔'' دلاور ہچکچا کر بولا۔
''خیر تم اسے دے دو مجھے۔''
''شکریہ، آپ نے میرا کام آسان کردیا۔'' وہ یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا اور خالی پلیٹ فارم سے ہوتا ہوا باہر نکل گیا۔
دلاور چند لمحے تھیلے کو گھورتا رہا پھر وہ بھی پلیٹ فارم سے باہر نکل گیا۔ اس نے سیدھا ریسٹ ہاؤس میں موجود اپنے کمرے میں آکر دم لیا تھا...... وہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ اس تھیلے میں کیا تھا۔ حالات کی وجہ سے اُس کے ذہن میں بہت سے منفی خیالات بھی آرہے تھے ورنہ عام دنوں میں شاید اس کے لیے یہ سب کچھ زیادہ اہم نہ ہوتا۔
اس تھیلے میں مزید دو تھیلے موجود تھے جن میں سے ایک میں ایک موبائل تھا جس میں سم بھی موجود تھی اور دوسرے تھیلے میں پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں کی کئی گڈیاں تھیں۔
اس نے فون آن کیا تو چند لمحوں بعد ہی اس کی بیل بجنا شروع ہوگئی۔ اس نے نمبر کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کال ریسیو کی۔
''ہیلو...... دلاور میں جیمز بات کررہا ہوں۔'' دوسری جانب اس کی امید کے برعکس مردانہ آواز سنائی دی۔ ''زورین تمہیں پروجیکٹ کے بارے میں بتا چکی ہے۔ اس کو علم تھا کہ تم ایڈوانس وصول کیے بغیر کام شروع نہیں کرتے اس لیے تمہیں آدھی رقم ایڈوانس کے طور پر بھجوادی گئی ہے باقی آدھی کام مکمل ہونے کے بعد پہنچ جائے گی۔''
''گڈ، یہ تو اچھا ہے کہ آپ لوگوں کو میرے اصول معلوم ہیں اور جب آپ اتنا جانتے ہیں تو یقیناً یہ بھی جانتے ہوں گے کہ یہ قاعدہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں میں بذاتِ خود جانتا ہوں جیسے غضنفر...... اب آپ کو میں نہیں جانتا، نہ چہرہ نہ علاقہ، نہ گھر نہ پتا...... ایسے میں کام کی مکمل فیس مجھے ایڈوانس میں درکار ہے، بعد میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔''
''غضنفر ہمارے لیے کام کرتا تھا دلاور...... ویسے رقم کوئی مسئلہ نہیں ہے تمہیں جہاں کہو بھجوادی جائے گی۔''
''یہ بہتر رہے گا، اس سے مجھے کام کرنے کے لیے کِک ملتی ہے۔ کام میں نے سمجھ لیا ہے، ہوجائے گا۔''
''تم ہم سے اسی فون کے ذریعے رابطہ کرو گے...... یہ ڈی ٹیکٹ نہیں ہوتا نہ ہی اسے ریکارڈ وغیرہ کیا جاسکتا ہے۔'' جیمز نے کہا۔
''ٹھیک ہے جیمز، میں یہی کروں گا۔'' اس نے جواب دیا۔
''کام بہت تیزی سے ہونا چاہیے۔'' وہ بولا۔
''اس کا دارومدار آپ پر ہے، پوری رقم مجھے مل جائے، اگلے دن کام ہوجائے گا۔''
''ٹھیک ہے، رقم رات تک تمہیں کس طرح پہنچائی جائے یہ بتادو......''
''میں ایک اکاؤنٹ نمبر بھیج رہا ہوں۔ یہ ڈالر اکاؤنٹ ہے رقم کو اس میں ٹرانسفر کردیں۔'' دلاور نے جواب دیا۔ ''سجاد احمد شیرانی کے قتل کا یہ معاوضہ ویسے کم ہے۔ جانتے ہوں گے آپ کہ اس کی کس قدر سخت سیکیورٹی ہے۔''
''کام اگر ٹھیک ہوا تو انعام اور پھر مسلسل کام ملتا رہے گا۔'' جیمز نے جواب دیا۔
''اگر مگر، دلاور کی ڈکشنری میں نہیں ہے، میں یقین سے کام کرتا ہوں جیمز اور یہ کام ہوجائے گا۔''
''یہ اچھی بات ہوگی بہت اچھی بات......'' جیمز نے کہا اور کال بند کردی۔ اُسے دلاور کی سودے بازی بالکل پسند نہیں آئی تھی لیکن اس وقت اُس سے کام لینا تھا اس لیے اس نے کچھ بھی کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆☆☆

سجاد احمد شیرانی کا آج کا شیڈول بہت سخت تھا مگر یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ ہفتے کے ساتوں روز اتنا ہی معروف رہتا تھا۔ اتوار والے دن البتہ دوپہر ایک سے چار بجے تک وہ خود کو ہر معروفیت سے دور رکھنے کی کوشش کرتا۔ پہلے تو اس کی وجہ بہت ہی کم افراد کے علم میں تھی مگر جب اس پر چہ میگوئیاں ہونا شروع ہوئیں تو پھر سجاد احمد نے اس ''راز'' پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اس نے شہر میں اپنی ایک بڑی بلڈنگ میں ستر ایسے بچوں کو گود لے رکھا تھا جن کے ماں باپ یا تو انتقال کرچکے تھے یا پھر وہ ان بچوں کی ذمے داری اٹھانے سے قاصر تھے۔ یہ بچے یہاں

رہتے، بہتر اسکولوں میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔ انہیں ایک اچھی زندگی کی تمام سہولیات حاصل تھیں۔ سجاد احمد ہر اتوار کو ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا۔ اس کے بعد گپ شپ اور تحفے تحائف دیے جاتے۔ اسے اس سب سے بہت اطمینان اور خوشی میسر ہوتی تھی۔ آج بھی اتوار ہی تھا اور وہ بچوں کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزار کر نکلا تھا۔

''سر! آپ ان بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں نا؟'' اس کے اسسٹنٹ مدثر نے راستے میں پوچھا۔

''ہاں بالکل...... یقین جانو کہ ان کے ساتھ وقت گزار کر سکون ملتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں اچھے کام کا سکون ہی الگ ہوتا ہے، اللہ نے آپ کو اتنا دیا ہے، آپ یہ کر بھی سکتے ہیں۔''

''یہ مت کہو، اللہ نے ہر ایک کو موقع دیا ہوا ہے۔ تم اگر ستر بچوں کو گود نہیں لے سکتے مگر کسی یتیم بچے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لا سکتے ہو تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ اچھے کام کے لیے صرف پیسوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیت دیکھی جاتی ہے چاہے چھوٹی سی مدد ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''درست کہا آپ نے۔'' وہ بھی جواباً مسکرایا۔ ''کیا اب فاؤنڈیشن کے دفتر جائیں گے؟''

''ہاں، وہیں جانا ہے۔'' اس نے جواب دے کر آنکھیں بند کرلیں، سفر کے دوران نیند کی جھپکی لے لینا اس کی روز کی عادت تھی۔

سجاد احمد ایک نامور صنعت کار تھا۔ شہر کا سب سے زیادہ امیر ترین نہیں تو بھی سب سے زیادہ امیر ترین افراد میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اب کاروبار کی جانب اس کی توجہ کم تھی۔ اپنا زیادہ تر وقت وہ فاؤنڈیشن کے کاموں میں صرف کرتا تھا۔ اس فاؤنڈیشن کے بنیادی کاموں میں لوگوں کی مدد اور روزگار کی فراہمی کی کوششیں شامل تھیں۔ لوگ اس کے اخلاص اور کاموں پر یقین رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ہر سال اسے بے حد ڈونیشن ملا کرتا جسے وہ کارِ خیر میں صرف کر دیتا تھا مگر یہی بڑھتا ہوا ڈونیشن اس کے حریفوں اور دشمنوں میں اضافہ کرتا جارہا تھا۔ ایک ناکام قاتلانہ حملے کے بعد سے اس کے خاندان نے اس کی سیکیورٹی کے لیے کئی گارڈز متعین کیے تھے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ ہفتے میں دو دن فاؤنڈیشن میں عام لوگوں سے ملا کرتا تھا اور یہ دو دن اس کے گارڈز کے لیے بہت سخت ثابت ہوتے تھے۔ انہیں ہر آتے جاتے شخص پر نظر رکھنی ہوتی تھی۔ کسی بھی قسم کے ہتھیار کے ساتھ اندر جانے پر پابندی تھی اور اس کے لیے خصوصی اسکینر موجود تھے جو فوراً ہتھیار کی موجودگی کا اعلان کر دیتے تھے۔

فاؤنڈیشن کی میٹنگ کے بعد سجاد احمد جلد ہی وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ آج اس کی بیٹی کی سالگرہ تھی اور اسے جلد گھر پہنچنا تھا۔ وہ راستے میں آن لائن اس کے لیے خریداری کرنا چاہ رہا تھا۔ ساتھ ہی مدثر کو احکامات بھی جاری ہو رہے تھے۔

''مدثر صبح فاؤنڈیشن میں کچہری ہے۔ کل کچھ زیادہ لوگ بلائے گئے ہیں۔ ہمارے پاس اس بار فنڈ زیادہ ہے اس لیے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے گا۔ ہمیں صبح دس بجے فاؤنڈیشن پہنچ جانا ہوگا تم ڈرائیور، گارڈز وغیرہ کو مطلع کر دینا، کل میں دفتر نہیں جاؤں گا، ہم سیدھا فاؤنڈیشن جائیں گے وہاں سے واپسی پر مجھے گورنر ہاؤس جانا ہے۔ وہاں سے فراغت کے بعد ہم اسکول کا دورہ کریں گے...... تم نے لکھ لیا نا۔ اس کے سوا اور کوئی مصروفیت تو نہیں ہے میری؟''

''یس سر...... آپ نے بین الاقوامی ادارے کو انٹرویو بھی دینا ہے کل...... شام کے بعد کا سر...... مجھے اندازہ تھا کہ آپ چھ بجے تک ہی فارغ ہو پائیں گے۔''

''اوکے، ٹھیک کیا، مگر اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دوبارہ فاؤنڈیشن جانا ہوگا۔''

''جی سر...... آپ کہیں تو میں اس پروگرام کو اگلے دن پر لے جاؤں، ان کو منع کر دوں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، نہیں...... کسی کو وقت دے کر منع کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہم کل ہی ان سے مل لیں گے اور انٹرویو بھی ہو جائے گا۔'' وہ یہ کہہ کر موبائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔ کار سڑک پر بے آواز تیرتی ہوئی اس کے خوب صورت گھر کی جانب جارہی تھی۔ اس نے اپنا اگلے روز کا شیڈول فائنل کر لیا تھا۔ اس پر کس قدر عمل ممکن تھا، یہ البتہ وہ نہیں جانتا تھا۔ یہ تو صرف مقدر کے علم میں ہی تھا۔ آنے والے کل کو پلان کرنے کی صرف کوشش کی جاسکتی ہے، وہ آئے گا یا نہیں؟ اور اگر آئے گا تو بنائے گئے منصوبے پورے ہوں گے بھی کہ نہیں...... یہ کون بتا سکتا تھا؟

☆☆☆

پرویز کے ٹیسٹ کے نتائج نے شمشیر کا شک درست ثابت کر دیا تھا۔ اس کے خون میں ایک انتہائی زود اثر اور خطرناک نشے کی آمیزش پائی گئی تھی جس کو استعمال کرنے کے بعد چوہا بھی شیر بن سکتا تھا۔ دنیا میں بدترین دہشت گرد

لوگوں کو استعمال کرنے کے لیے اسی کا سہارا لیتے تھے۔
''یہی یقین تھا مجھے۔'' اس نے رپورٹ دیکھ کر کہا۔ ''ان غریب لڑکوں کو آلہ کار بنا کر یہ دہشت گردی کی گئی ہے، افسوسناک بات یہ ہے کہ انہیں یہ بتایا بھی نہیں گیا کہ اس کام میں ان کی جانیں جائیں گی...... کام کے بعد پیسا دینے کا وعدہ کیا گیا یعنی مفت میں ان کا خون بہایا گیا اور وہ ایک لڑکا اپنی جان سے بھی گیا۔'' وہ چند لمحوں بعد کھڑا ہو گیا۔ ''ہمیں آج ہی اُس مکان تک پہنچنا ہے اس وقت وہ بے پروا ہوں گے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ دونوں لڑکے مارے جا چکے ہوں گے لہٰذا ان تک پہنچنے کے سارے دروازے بند ہیں اور وہ محفوظ ہیں۔''

''جی سر...... پرویز کو کیسے لے جایا جا سکے گا؟'' سینئر انسپکٹر ندیم نے پوچھا۔

''ڈاکٹرز نے اسے لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اسے ویسے بھی سامنے نہیں آنا ہے۔ وہ جس وین میں ہوگا ہمیں وہ مکان دکھا دے گا۔ اس کے بعد ڈاکٹر کی شناخت کے لیے اس کی ضرورت پڑے گی۔''

''جی بالکل ٹھیک ہے۔'' انسپکٹر نے جواب دیا۔

پرویز اُن کے ساتھ جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔ شمشیر اس کے ساتھ ہی وین میں موجود تھا۔ اس کی گاڑی کو ایک آفیسر لے کر آ رہا تھا۔ ان کے پہنچنے اور مطلع کرنے کے چند منٹوں بعد ہی موبائل بھی وہاں پہنچ جاتی تاکہ کسی حادثے سے پہلے کی احتیاطی تدابیر مکمل رہیں۔

''تمہیں وہ مکان یاد ہے نا؟'' شمشیر نے وین میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل یاد ہے سر...... میں اس تک آپ کو بہ آسانی لے جاؤں گا۔'' پرویز نے اعتماد سے کہا اور وہ واقعی ان کو درست مکان تک لے گیا تھا۔

سادہ کپڑوں میں ملبوس شہباز نے مکان کی کال بیل بجائی۔ جواب میں جو چہرہ سامنے آیا، اسے دیکھ کر پرویز نے شمشیر کو دیکھ کر گردن ہلائی۔ اس کا اشارہ پاتے ہی شمشیر بھی گاڑی سے اتر آیا۔

''کیا چاہیے آپ کو؟ کس سے ملنا ہے؟'' گھر سے برآمد ہونے والا اب قدرے بدتہذیبی سے شہباز سے سوال کر رہا تھا۔

''آپ...... آپ درکار ہیں ڈاکٹر صاحب۔'' شمشیر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔'' وہ بولا۔

''حالانکہ بات مشکل نہیں تھی۔'' شمشیر نے کہا۔ ''آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''مگر کیوں؟ کہاں؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے بگڑ کر پوچھا۔

''سوال اب آپ نہیں کریں گے...... یہ ہمارا اسکرپٹ ہے، آپ کو اس کے جواب دینے ہوں گے۔'' وہ مسکرا کر متانت سے بولا۔

''میں ابھی آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں، یہ ہراسمنٹ پھیلانے کا طریقہ ہے مگر مجھ سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''بکواس بالکل بند۔'' اے ایس آئی شہباز نے آگے بڑھ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور پھر وہ اسے موبائل تک لے گئے۔

''یہ آپ نہیں کر سکتے؟ آخر میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ مسلسل بول رہا تھا۔

''آپ نے کیا کیا ہے؟ آپ یہ کیسے پوچھ پاتے ہیں۔ ستر افراد کی جان لی ہے تم نے، ان کے خاندانوں کو زندہ درگور کر دیا ہے۔'' شمشیر نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

اسے انہوں نے موبائل میں ڈالا اور پھر ان کا کارواں تھانے کی جانب بڑھ گیا۔ اے ایس آئی اور وہاں موجود ایک انسپکٹر کے ذمے ڈاکٹر کے گھر کی تلاشی کا کام تھا۔ شمشیر کو یقین تھا کہ وہاں سے کافی ثبوت حاصل کیے جا سکتے تھے۔

''دیکھیے آپ کو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں ایک ذمے دار شہری ہوں، ڈاکٹر ہوں، اپنے فرائض سمجھتا ہوں۔ میرا اتنے لوگوں کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کسی نے آپ کو غلط انفارمیشن دی ہے، آپ کم از کم مجھے میرے وکیل سے بات تو کرنے دیں۔''

''بالکل کرنے دیں گے...... مگر سب کچھ اب تھانے پہنچ کر ہی ہوگا اور اب اگر آپ خاموشی سے جو کہا جا رہا ہے، وہ کریں تو ہم سب کے لیے آسانی ہوگی۔''

ڈاکٹر کے روانہ ہونے کے بعد شمشیر وین میں موجود پرویز کی طرف آیا۔ ''پرویز یہ وہی آدمی ہے؟''

''جی سر...... اس نے ہی مجھے اور امجد کو ٹیکے لگائے تھے۔'' پرویز نے پورے یقین سے کہا۔

''ٹھیک ہے، پرویز کو اسپتال لے جاؤ واپس اور احتیاط رکھنا۔'' شمشیر نے ڈرائیور سے کہا اور پھر اپنی گاڑی

کی طرف بڑھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کیس کی تفصیلات کو جاننے کے بعد شہر میں کچھ امن قائم ہو سکے گا۔

انہیں فی الحال اس گرفتاری کو بھی صیغۂ راز میں رکھنا تھا اسی لیے انہوں نے تمام تر کارروائی نہایت خاموشی سے کی تھی۔ شمشیر کی گاڑی کا رخ تھانے کی طرف تھا۔ وہ اس ڈاکٹر سے تمام باتیں جلد از جلد اگلوا لینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

دلاور شیشے کے سامنے کھڑا تھا مگر شیشے میں نظر آنے والا عکس اس کا نہیں تھا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر پریشان حال شخص نظر آ رہا تھا جس کے سر کے اکثر بال سفید ہو چکے تھے۔ جس کی رنگت جھلسی ہوئی تھی حتیٰ کہ دلاور کی بھوری آنکھیں بھی اس وقت گہرے سیاہ رنگ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ اس نے غور سے اپنے عکس کی جانب دیکھا اور پھر ڈبے سے نقلی مونچھوں کو نکالا اور اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔ اس ایک مزید تبدیلی کے بعد تو وہ خود بھی اپنے آپ کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر سر ہلایا اور بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

اس کا منصوبہ بالکل تیار تھا، اس کے لیے ضروری ریسرچ وہ مکمل کر چکا تھا۔ سب سے پہلے اس نے سجاد احمد کے معمولات کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ ہفتے میں دو دن اس تک پہنچنا آسان تھا مگر اس کے لیے بھی کم از کم دو ہفتے قبل ملاقات کا اپائنٹمنٹ لیا جاتا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ ضرورت مند فاؤنڈیشن کے دفتر میں رجسٹریشن کراتے تھے اور پھر باری کے مطابق انہیں بلایا جاتا تھا۔ یہی بہترین موقع ہوتا تھا جب خاص طور پر کسی کی آنکھوں میں آئے بغیر اس کے قریب جایا جا سکتا تھا۔ سجاد احمد صبح دس بجے لوگوں سے ملنا شروع کرتا تھا مگر ضرورت مند سات بجے سے ہی وہاں جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے۔

دلاور کا بقیہ منصوبہ بھی بالکل تیار تھا۔ اسے صرف چند لمحوں کے لیے سجاد احمد کے قریب جانا تھا اور اپنا کام کر گزرنا تھا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر اس میں جھانکا، اس میں روئی اور ٹشو میں لپٹی ایک باریک سوئی موجود تھی، یہ عام سوئی نہیں تھی۔ اس کے سرے پر عام اسکارف پن کے مانند ایک موتی لگا ہوا تھا جو ہلکے سے دباؤ سے دب جاتا تھا اور سوئی سے نکلنے والا خطرناک زہر دوسرے شخص کے جسم میں سرایت کر جاتا۔ اس زہر کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اپنے شکار پر فوراً اثر نہیں کرتا۔ سوئی جسم میں لگنے کے کم از کم دس منٹ بعد اس کا اثر شروع ہوتا تھا اور لمحوں میں شکار کی موت واقع ہو جاتی تھی۔ یہ زہر اور سوئی اس کے خاص سامان میں بہت اہمیت کی حامل تھی جسے اس نے ہزاروں روپے کے عوض حاصل کیا تھا۔ اس نے ڈبیا بند کی اور کرتے کی جیب میں ڈال لی۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ اس وقت یہاں بھی سب گہری نیند سو رہے ہوتے تھے۔ ایسے میں اس کا گیٹ اپ اس کے لیے کوئی پریشانی کھڑی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پتلے کھیس کی بکل بنائی اور سر اور چہرے کو اس میں چھپا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

گیٹ پر اسے چوکیدار کی موجودگی اور سوال وجواب کی فکر تھی مگر اس وقت وہ گیٹ پر موجود ہی نہیں تھا شاید کسی ضرورت کی وجہ سے وہ اندر گیا تھا۔

دلاور نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اب اس کی منزل فاؤنڈیشن کا دفتر تھا۔ وہ وہاں اپنی کار میں نہیں جا سکتا تھا اس لیے اس نے گزشتہ شام ہی ایک پرانی سی موٹر سائیکل خرید لی تھی۔ وہ کہیں بھی کوئی سراغ نہیں چھوڑتا تھا۔ اسی لیے اس نے کسی دکان پر جانے کے بجائے راہ چلتے ایک پریشان حال شخص کی موٹر سائیکل کا انتخاب کیا تھا۔

''موٹر سائیکل بیچو گے؟'' اس نے اس سے سوال کیا۔

''کیوں بھائی! اس پر تو روزی روٹی چلاتے ہیں بیچ دیا تو کھائیں گے کیا؟'' اس نے بگڑ کر پوچھا۔

''اگر میں دگنے پیسے دوں تب بھی نہیں۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''دگنے پیسے؟ مگر وہ آپ کیوں دیں گے، یہ تو ایک پرانی سی موٹر سائیکل ہے عام سی۔'' وہ اس بار آرام سے بولا۔

''اصل میں میرے چھوٹے بھائی کے پاس بالکل یہی موٹر سائیکل تھی۔ وہ تو اب دنیا میں نہیں مگر اسے دیکھ کر اس کی یاد آ گئی۔ میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔'' دلاور نے اداسی سے کہا۔

''ارے ارے بھائی...... اللہ تمہاری مدد کرے صبر دے...... میں خود غریب آدمی ہوں ورنہ یہ تمہیں ایسے ہی دے دیتا۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں...... یہ کتنے کی ہوگی؟''

''بیس بائیس میں نکل جائے گی پرانا ماڈل ہے، باڈی اتنی اچھی نہیں مگر انجن بریک سب بالکل ٹھیک ہیں۔'' وہ اب بیچنے پر آمادہ نظر آ رہا تھا۔ ''تم نے دگنی قیمت کہا تھا تو چوالیس ہزار بنیں گے، اس سے میں دوسری موٹر سائیکل

لے لوں گا اور بچوں کے اسکول کی فیس بھی ادا ہو جائے گی۔'' اس نے امید بھرے انداز میں کہا۔

''فیس......؟''

''ہاں صاحب تین بچے اسکول جاتے ہیں۔ تین ماہ سے فیس ادا نہیں کر پایا...... اسکول والے روز سزا دیتے ہیں۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' دلاور نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوا نکالا اور پانچ پانچ ہزار کے دس نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

''صاحب چھٹا نہیں ہے میرے پاس۔'' وہ نوٹ گنتے ہوئے بولا۔ ''یہ پانچ ہزار شاید غلطی سے زیادہ آ گئے ہیں۔''

''نہیں تم یہ رکھ لو۔'' دلاور نے سخاوت دکھائی۔

''جیتے رہو صاحب، رب بھائی کی مغفرت کرے۔'' وہ دعائیں دیتا رخصت ہو گیا۔

دلاور نے وہ موٹر سائیکل ریسٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے پر ایک دکان کے پاس کھڑی کر دی تھی۔ وہ سات بجے فاؤنڈیشن کے دفتر کے باہر پہنچ گیا تھا۔ اس سے قبل وہ ایک ڈھابے پر رکا تھا، جہاں اس نے ناشتا تناول کیا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے ہر کام خوب وقت لگا کر کیا تھا۔ چائے کی پیالی ختم کرنے میں بیس منٹ لگائے تھے پھر دھیرے دھیرے موٹر سائیکل چلا کر فاؤنڈیشن پہنچا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل شیڈ کے بیرونی حصے میں کھڑی کی تاکہ واپسی پر اسے کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس سے قبل وہاں ایک نوجوان پہنچ چکا تھا اور دیوار سے ٹیک لگائے دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دلاور سے گفتگو کے آغاز کی کوشش کی مگر اس نے چڑچڑے پن سے جواب دے کر اسے ناکام بنا دیا اور خود شیڈ میں موجود بینچ پر جا بیٹھا۔ تقریباً نو بجے کے قریب دفتر کھل گیا تھا۔ اس وقت تک وہاں چالیس سے زیادہ افراد جمع ہو چکے تھے۔ فاؤنڈیشن کے قواعد کے مطابق گھر کا ایک ہی شخص مسئلہ لے کر آ سکتا تھا اسی وجہ سے وہاں عورتوں، بچوں کا رش نہیں تھا۔ پونے دس بجے کے قریب چار گاڑیاں آگے پیچھے وہاں پہنچیں، بڑا گیٹ اُن کے وہاں پہنچنے سے چند منٹ قبل کھول دیا گیا تھا۔ دو گاڑیوں کے بعد والی بڑی گاڑی میں یقیناً اس کا شکار موجود تھا۔ وہ وہاں موجود تمام لوگوں کی طرح گاڑیوں کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور محبت بھرے انداز میں ان گاڑیوں کو اندر جاتے دیکھ رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد اُس کی باری آ گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا اور سجاد احمد کے ملاقات والے کمرے میں داخل ہوا وہاں اس کے علاوہ پانچ چھ افراد اور بھی موجود تھے جن میں سے دو اس کے باڈی گارڈ تھے۔

''آئیے بابا جی۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے دلاور کو اپنے قریب پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''بولیے...... کیا خدمت ہو سکتی ہے آپ کی...... آپ کا رجسٹریشن فارم نظر نہیں آ رہا ہے مجھے......''

''بیٹا اللہ تمہیں خوش رکھے...... میں کل آیا تھا یہاں...... پتا چلا کہ دو تین ہفتوں بعد میری باری آئے گی، وہاں ایک نوجوان تھا میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو اس نے اپنا ٹوکن نمبر مجھے دے دیا۔''

''اچھا، اچھا چلیے بتائیے کیا کر سکتے ہیں ہم آپ کے لیے؟'' اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

''سب کا ایک ہی مسئلہ ہے دو وقت کی روٹی اور عزت کی چھت...... اب کیا بتاؤں بیٹا بہت پریشانی ہے، رکشا چلا سکتا ہوں اگر رکشا مل جائے تو کرایہ بھی دینے کو تیار ہوں۔'' دلاور بہت شاندار اداکاری کر رہا تھا۔ اسے خود اپنے اس ٹیلنٹ کا اندازہ نہیں تھا۔

''او کے، آپ کے پاس لائسنس ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں ہے بیٹا مگر بنوا لوں گا۔'' دلاور بولا۔

''ادریس، بابا جی کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ لائسنس بنوانے میں بھی جو مدد ہو سکے، وہ کرو میں چاہتا ہوں کہ بابا چند دن میں رکشا چلا رہے ہوں۔''

''ضرور سر...... میں اس پر کام کرتا ہوں، بابا جی آپ کل دوپہر میں آ کر مجھ سے مل سکتے ہیں۔'' ادریس نامی شخص نے پوچھا۔

''کیوں نہیں مل سکتا...... میرا تو کام ہے...... زندہ رہا تو ضرور آؤں گا۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا اس دوران اس کی انگلیوں نے جیب میں رکھی ڈبیا سے سوئی نکال کر اسے مخصوص انداز میں تھام لیا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر آپ آ جائیں کل...... باس نے کہہ دیا ہے آپ کا کام ہو جائے گا۔''

''ایک...... ایک درخواست اور ہے؟'' دلاور نے لجاجت سے کہا۔

''بولیے......'' سجاد احمد اُس کی جانب متوجہ تھا۔

''میں ایک بار آپ سے گلے ملنا چاہتا ہوں......

بہت تمنا ہے اِس کی..... سب کو بتا سکوں گا کہ ایک فرشتے کو گلے لگا کر آرہا ہوں۔''

''ارے باباجی کیوں شرمندہ کررہے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''آجایئے۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''سر یہ آپ کے سیکیورٹی رولز کے خلاف ہے سر۔'' ایک باڈی گارڈ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سجاد احمد نے اسے سرد نگاہوں سے گھور کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں صاف ستھرا ہوں بس رنگ ایسا ہو گیا ہے۔'' دلاور نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

''آیئے باباجی۔'' سجاد احمد ایک نفیس اور بہت اچھے دل کا مالک تھا، اس جملے کو سننے کے بعد وہ خود آگے آگیا تھا۔

دلاور نے نہایت محبت سے اسے گلے لگا لیا اس دوران اس نے ہاتھ میں پکڑی سوئی اس کے بازو میں چبھو دی اور پھر فوراً نیچے گرادی۔

''اوف.....'' اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی۔

''کک کیا ہوا بیٹا۔'' دلاور نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''کیا ہوا سر۔'' اس کے ملازمین نے اسے گھیر لیا تھا جس سے وہ سوئی زمین سے غائب ہی ہو گئی تھی۔

''کچھ چبھا تھا مجھے ہلکا سا..... بس ٹھیک ہے اب۔'' وہ سر جھٹک کر بولا۔

''ہائے ہائے میری عقل پر پردہ پڑ گیا خوشی میں.....'' دلاور نے فوراً کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' ان سب کی نظریں اب اس کی جانب تھیں۔ اس نے بوسیدہ کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ٹوٹا ہوا سن گلاسز برآمد کیا جس کی ڈنڈی ٹوٹ کر نکیلی ہو گئی تھی۔

''یہ..... یہ رہ گیا تھا جیب میں..... یہ چبھ گیا ہوگا..... معاف کردیں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''ارے کیا کررہے ہیں آپ..... کوئی مسئلہ نہیں..... بس آپ کل آکر ادریس سے مل لیجیے گا اور پھر نیا چشمہ بھی خرید لیجیے گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا جیتے رہیں آپ لوگ۔'' وہ اسی مخصوص چال میں آہستہ آہستہ چلتا کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اس کے حساب کے مطابق اس کے پاس اس منظر سے غائب ہونے کے لیے اب چھ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ باہر پہنچ کر اس نے رفتار تیز کردی اور گیٹ سے نکلنے کے بعد وہ بجلی کی سی تیزی سے موٹر سائیکل کی جانب لپکا۔ چند ہی لمحوں میں وہ اس علاقے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

دلاور کے بعد سجاد احمد بمشکل ایک ملاقات اور کر پایا تھا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خود اپنی اس کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''میں ٹھیک محسوس نہیں کررہا ہوں۔'' بالآخر وہ بولا۔

''ڈاکٹر کو بلاؤ۔''

''اوکے سر آپ یہاں لیٹ جایئے۔'' مدثر اُسے صوفے پر لٹاتے ہوئے بولا۔ اس کے دو باڈی گارڈ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے دوڑے تھے۔ باقی لوگ وہیں موجود تھے۔ ملاقات کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے روک دیا گیا تھا۔

''آپ کیا محسوس کررہے ہیں؟'' مدثر نے اُس کے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے پوچھا۔

''میرے پورے جسم میں آگ سی لگی ہوئی ہے مدثر..... ایسا مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا۔'' وہ مشکل سے بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ بی پی شوٹ کر گیا ہو..... ڈاکٹر صاحب بس پہنچ رہے ہیں۔''

''یہ..... یہ کیا چیز ہے.....؟'' ایک باڈی گارڈ نے جھک کر زمین سے کچھ اٹھایا اور اسے غور سے دیکھنے لگا..... سجاد احمد کو صفائی فوبیا تھا اس کے کمرے میں یا راستے میں کسی کچرے یا گند خواہ وہ ذرہ برابر بھی کیوں نہ ہو رہ جانے کا مطلب اس کے غصے کو دعوت دینے کے برابر تھا پھر ایسے میں وہاں سے کچھ ملنا حیران کن بات تھی۔

''کیا ہے مجھے دکھاؤ۔'' مدثر نے آگے بڑھ کر کہا اور غور سے سوئی کی جانب دیکھا۔ جو باڈی گارڈ کو زمین سے ملی تھی۔ اسے اس کو دیکھ کر عجیب سا خیال آرہا تھا۔

''ڈاکٹر کو جلد بلاؤ.....'' وہ زور سے چلایا۔ ''باہر ایمبولینس بھی لگا دو۔''

اس دوران سجاد کی حالت پہلے سے بہت زیادہ بگڑ چکی تھی۔ اس کا چہرہ سیاہ پڑتا جا رہا تھا اور آنکھیں سکڑ سی رہی تھیں۔ وہ کوشش کر کے بھی کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے سجاد صاحب کو..... خیر تو ہے؟'' ڈاکٹر شمس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ ایک بہترین اور تجربہ کار ڈاکٹر تھے۔ سجاد احمد پر نظر پڑتے ہی وہ ساکت سے رہ گئے پھر تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔ ابتدائی معائنے کے بعد اس نے مدثر کی جانب دیکھا۔

''کیا ہوا ہے سر کو؟'' مدثر نے پوچھا۔

''مجھے جو اندازہ ہوا ہے، وہ کوئی اچھی اطلاع نہیں ہے۔ ہمیں سر کو فوراً اسپتال لے جانا ہوگا۔'' وہ اپنے بیگ

سے انجکشن نکال کر تیزی سے سرنج میں بھرتے ہوئے بولا۔
''ایمبولینس لگوادی ہے، اسپتال میں تیاری کے لیے فون کر دیتا ہوں میں۔'' مدثر نے کہا۔ ''آپ کی رائے میں کیا ہوا ہے سر کو...... اور یہ دیکھیے یہ سوئی یہاں سے ملی ہے۔''
''اوہ مائی گاڈ......'' وہ چند لمحے سوئی کا جائزہ لینے کے بعد بولا۔ ''تیزی سے حرکت کریں مدثر...... صاحب کو زہر دیا گیا ہے۔''
''کیا؟'' مدثر چیخ پڑا تھا۔
سجاد احمد اس دوران بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے باڈی گارڈز اسے ایمبولینس تک لے گئے اور اگلے لمحے ایمبولینس تیزی سے اسپتال کی جانب روانہ ہو گئی تھی۔
باہر موجود لوگ سجاد احمد کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ ایسے میں نہ جانے کس کے ہونٹوں سے یہ بات باہر نکلی اور کچھ ہی دیر میں سوشل میڈیا کی سب سے اہم خبر بن گئی۔
''صاحب کو زہر دیا گیا ہے۔'' باہر موجود لوگوں میں مسلسل چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ لوگ باقاعدہ رو رہے تھے۔ دعائیں کر رہے تھے۔ سجاد احمد پر اس طرح قاتلانہ حملے کی خبر نے پہلے سے غصے میں بھرے لوگوں کو غم و غصے کی تازہ بارش میں بھگو ڈالا تھا۔ ماحول میں ایک نئی تلخی پھیلنے لگی تھی۔
اسپتال میں ڈاکٹرز اس کی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ سجاد کے خاندان کے افراد، فاؤنڈیشن کے بورڈ کے ممبران جو کہ خود بھی بہت اعلیٰ سطح کے افراد تھے۔ اسپتال میں موجود تھے۔ اسپتال کے باہر لوگوں کا جمِ غفیر تھا جسے پولیس بڑی مشکل سے کنٹرول کر پا رہی تھی۔
''جی ڈاکٹر میرے بھائی کی حالت کچھ بہتر ہوئی؟'' سجاد احمد کے بڑے بھائی افتخار نے ڈاکٹر کو آئی سی یو سے باہر نکلتا دیکھ کر پوچھا۔
''ہم پوری کوشش کر رہے ہیں' بہترین وسائل استعمال کیے جا رہے ہیں، زہر کا اثر ختم کرنے والی دنیا کی سب سے بہترین دوا انہیں دی جا رہی ہے مگر اب تک کوئی واضح مثبت تبدیلی نظر نہیں آئی۔ ہمیں ایک خوف اور بھی ہے۔ انہیں جو زہر دیا گیا ہے وہ دماغ پر خاص انداز میں حملہ کرتا ہے جس سے یادداشت کے متاثر ہونے کا خطرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ دماغ کے دوسرے حصوں پر اثر سے کسی بھی قسم کی مستقل معذوری بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سب آپ کے علم میں ہونا چاہیے اس لیے میں آپ کو بتا رہا ہوں۔''
''تم سجاد کے لیے کتنے فیصد صحت یابی دیکھ رہے ہو؟'' انہوں نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد پوچھا۔
''سوری مگر بمشکل 5 فیصد۔'' اس نے سچائی سے کہا۔
''اوہ میرے خدا۔'' ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ''یہ کس ظالم نے ہمیں تباہ کر ڈالا۔ میرا بھائی تو سب کے لیے اچھا سوچتا تھا۔ میں نے کتنی بار اسے سمجھایا بھی کہ زندگی کو کس قدر مشکل بنا رکھا ہے، بزنس پر توجہ دے اور جس کی مدد کرنا ہے اس کو پیسا بھیج دے خود تو سکون سے رہ مگر اسے خدمت کرنے میں لطف آتا تھا ہمیشہ ایک بات کہتا تھا کہ عبادت کی قضا ہے مگر خدمت کی قضا نہیں ہے، جسے آج کسی چیز کی ضرورت ہے اور ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں کل ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس وہ سب ہم سے بہتر ہو اس لیے خدمت میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ کہے جا رہے تھے۔
''آپ دعا کریں، دعا سب کچھ بدل سکتی ہے۔'' ڈاکٹر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ان کے کندھے کو تھپتھپایا اور دوبارہ آئی سی یو میں داخل ہو گیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں دوبارہ باہر آ گیا۔ اس بار اس کے چہرے پر مایوسی لکھی تھی۔
''کیا ہوا ڈاکٹر صاحب؟'' افتخار احمد نے آگے بڑھ کر پوچھا۔
''ہم انہیں بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔'' اس نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم سب ایک عظیم انسان سے محروم ہو گئے۔ ہم نے اپنی پوری کوشش کی مگر اس خطرناک زہر پر کسی تریاق نے اثر نہیں کیا۔''
لمحے بھر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ سوشل میڈیا، اخبارات، ٹیلی ویژن شوز ہر جگہ اس کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی۔ سجاد احمد کے چاہنے والوں نے شہر میں توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کا صرف ایک مطالبہ تھا انہیں سجاد احمد کا قاتل درکار تھا۔ شہر میں جاری فسادات میں تیزی سے اضافہ ہو گیا تھا۔ سجاد احمد کی بیوی، بھائی اور دفتر سے متعلقہ افراد مسلسل لوگوں کو پُرسکون ہونے کے پیغامات دے رہے تھے مگر عوامی غصے کا آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جانے والا ہے۔

☆☆☆

''اگرچہ تم کسی موقع یا رعایت کے قابل نہیں ہو پھر

بھی میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں، شرافت سے سچ بولنے کا۔'' شمشیر نے ڈاکٹر سلمان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ تم کیا چاہتے ہو، دیکھو میں ایک ڈاکٹر ہوں اور میری پہنچ کافی دور تک ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو۔'' ڈاکٹر سلمان نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ورنہ یہ ساری کارروائی تمہیں اور تمہارے ان ساتھیوں کو مہنگی پڑ جائے گی۔''

''یعنی تم سیدھی طرح سے سچ نہیں بولو گے؟''

''سچ تو بول رہا ہوں، تم شاید اپنی مرضی کا بیان چاہتے ہو...... دیکھو میں صرف یہاں کا شہری نہیں ہوں...... میرے ساتھ دھونس زبردستی نہیں کر سکتے...... مجھے فون کرنے کی اجازت دو، میں اپنے وکیل کو بلوانا چاہتا ہوں......'' وہ بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم سفارشوں کا تانتا باندھ سکتے ہو مگر یہاں تمہیں اس کا موقع نہیں ملے گا...... کسی کو نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو یا کہاں گئے اور ہم جانتے ہیں کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' شمشیر غرایا۔

''رحمت...... لے جاؤ اس کو اور اس کی خاطر تواضع کرو...... تاکہ اس کی حقیقی یادداشت واپس آجائے...... میں سچ سننا چاہتا ہوں اس کے منہ سے۔''

''تم...... تم لوگ یہ نہیں کر سکتے......'' سلمان کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ ''میں تم سے اکیلے میں کچھ بات کر سکتا ہوں......'' وہ دونوں پولیس والوں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر بولا۔

''کیسی بات؟ کہو......'' شمشیر کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر اس نے دونوں اے ایس آئی کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ ''بولو......''

''دیکھیے آفیسر...... آپ جوان آدمی ہیں، اپنے اچھے مستقبل کا سوچیے...... آپ جو اماؤنٹ کہیں گے میں وہ ادا کرنے کو تیار ہوں آپ اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں۔''

''کتنی اماؤنٹ دے سکتے ہیں آپ مجھے؟''

''جو آپ کو درکار ہو؟'' وہ تھوڑا مطمئن ہو کر بولا۔

''مجھے ڈالرز میں چاہیے اور پھر میرے اسٹاف کے لیے بھی...... کیونکہ بہرحال یہ معاملہ ان کی معلومات میں بھی ہے۔''

''ڈن...... آپ کے لیے دس ہزار ڈالرز اور اسٹاف کے لیے ایک ہزار ڈالرز کافی ہوں گے۔''

''دس ہزار ڈالرز...... اتنی بڑی رقم آسانی سے بندوبست ہو جائے گا؟''

''بالکل ہو جائے گا اور یہ تو کچھ نہیں۔ اگر ہم ہاتھ ملاتے ہیں تو پھر جو آپ کہیں ہو جائے گا......'' وہ مسکرایا۔

''تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ جو سچ ہے وہ سننا چاہتا ہوں...... اس آفر سے اپنی اصل حقیقت خود کھول دی ہے تم نے...... ایک بات یاد رکھو، ہر شخص بکاؤ مال نہیں ہوتا......'' شمشیر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ''رحمت......'' وہ دہاڑا۔

''جی جی سر......'' وہ شاید دروازے کے ساتھ ہی لگا کھڑا تھا۔

''لے جاؤ اِس دولت کی کان کو...... جب یہ سچ بولنے لگے تو مجھے بتا دینا......''

''یہ آپ غلط کر رہے ہیں...... میری بات تو سنیے......'' سلمان نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر دونوں اے ایس آئی اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

دو گھنٹوں بعد جب شمشیر نے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ اسے واپس لے آئے تھے۔ اس کی حالت ان دو گھنٹوں میں ہی تباہ ہو چکی تھی۔ اس کی ناک سوجی ہوئی تھی اور چہرے پر سرخ نشان نظر آرہے تھے۔

''کیا ہوا؟ کچھ بتایا صاحب نے؟'' شمشیر نے بے پروائی سے پوچھا۔

''جی سر، کچھ نہیں کافی کچھ بتا دیا۔'' رحمت نے کہا۔ ''ابھی آپ کو بھی بتائے گا۔''

''ٹھیک ہے...... بیٹھو ڈاکٹر صاحب! اگرچہ کہ ڈاکٹر کہنا اس عظیم پیشے کی توہین ہے، کس کے لیے کام کر رہے ہو اور کب سے؟''

''پہلے را کے ساتھ کر رہا تھا مگر آج کل ایک اور ایجنٹ کے لیے کر رہا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں بھی کبھی کسی مشن میں کوئی خاص کام ہو تو کرتا ہوں......''

''آہم...... خاص آدمی جو ہو تم۔'' شمشیر نے کہا۔ ''اس دھماکے میں کیا کام کیا تھا؟''

جواب میں وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ ''بتاؤ۔'' شمشیر نے دوبارہ کہا۔

''یہ...... یہ دھماکا فون کے ذریعے ہوا تھا۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔ ''اس میں دو لڑکوں کو فون دے کر بھیجا گیا تھا۔ لڑکے اور سامان جمھو لایا تھا، میں نے تو صرف انہیں انجکشن لگائے تھے۔''

''کیسے انجکشن؟'' شمشیر نے پھر پوچھا۔

''نشے کے...... خاص نشے کے۔ اس سے انسان کچھ

بھی کر جاتا ہے۔ اگر اُسے کسی کے قتل کا حکم دو تو وہ بھی کر آتا ہے۔''

''ان لڑکوں کو مشن کے بارے میں معلوم تھا...... جانتے تھے کہ وہ مر جائیں گے؟''

''نن...... نہیں...... ان کو نہیں بتایا تھا۔''

''تمہارے بچے ہیں؟'' شمشیر نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جی دو بچے ہیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔''

''خوب' یہاں ہیں یا باہر بھیج دیے؟''

''باہر ہیں، پڑھ رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''اگر انہیں پکڑ کر انہیں بھی کسی ایسی واردات میں استعمال کر لیا جائے تو...... وارداتیں تو وہاں بھی ہوتی ہیں اور میرے وہاں بہت دوست موجود ہیں پتا، یونیورسٹی وہ سب تم سے پوچھ لیں گے۔'' شمشیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''نن نہیں، خدا کے لیے نہیں، ان کا اس سب سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو یہ سب جانتے تک نہیں ہیں، ان پر رحم کریں۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''سلمان صرف اس خیال سے اتنے پریشان ہو گئے اور کسی غریب کی اولاد کو مزے سے قربانی کا بکرا بنا لیا۔'' اس جواب پر اس کا سر جھک گیا تھا۔

''یہ جیمز کون ہے؟ مجھے اس کا پتا، فون نمبر سب درکار ہے۔''

''مم میں دے دوں گا...... مگر میرے بچوں کو اس بارے میں معلوم نہ ہو۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ ''میرا فون آپ کے لوگوں کے پاس ہے، اس میں نمبر موجود ہے۔''

''میں یہ گارنٹی نہیں دے سکتا ہاں تمہاری سطح تک گر نہیں سکتا۔'' شمشیر بولا اور رحمت کو فون لانے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں میں اس کا جدید آئی فون میز پر پڑا ہوا تھا۔

''اسے تم خود فون کرو گے اور اسے فوری طور پر ملنے کو کہو گے اس کی جگہ یا تمہارا گھر...... سمجھ گئے نا...... کہنا زیادہ تفصیل فون پر نہیں بتا سکتے۔'' شمشیر نے کہا۔ ''اور اگر تم نے ذرہ بھر بھی چالاکی دکھائی تو پھر جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے ساتھ ہوگا، تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' شمشیر نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں سمجھتا ہوں۔ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا...... آپ یقین کریں۔'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔ اس کا سارا غرور، اکڑ نکل چکی تھی۔

''چلو ملاؤ فون......'' اس نے فون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' سلمان نے میز پر رکھا فون اٹھایا اور اس پر چڑھے قیمتی کور کو اتارنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟'' شمشیر نے پوچھا۔

''اس کا نمبر یہاں چھپی ہوئی دوسری سم میں ہے اس کو نکال کر لگانا ہوگا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' شمشیر نے کہا۔ اس کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

سلمان نے کور کو کھولا تو فون پر ایک لمبی سی پٹی چپکی ہوئی تھی جس کے اندر ایک سم نظر آ رہی تھی۔ اس نے اس پٹی کو فون سے کھینچا۔

''یہ دیکھیے اس میں ہے سم......'' اس نے شمشیر کے قریب کر کے اس پٹی کی تہ کو کھولا۔ تہ کھلتے ہی شمشیر کا دماغ گھوم گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے اعصاب شل ہو رہے ہوں، اس نے سر جھٹک کر سلمان کی جانب دیکھا جو ناک کو دو انگلیوں سے دبائے تضحیک آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شمشیر نے رحمت اور دوسرے اے ایس آئی کی جانب دیکھا، وہ دونوں دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لڑھک گئے تھے۔ خود شمشیر کا ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا مگر اس نے فوری طور پر سانس روک لی تھی۔ چند لمحوں بعد سلمان نے ناک سے ہاتھ ہٹا کر قدرے پیچھے ہو کر سانس لی اور کھانستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کی باڈی لینگویج بالکل تبدیل ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک اور نفرت امڈ رہی تھی۔ شمشیر کرسی پر گرا ہوا سا تھا اب اس کی طاقت قدرے بحال ہو رہی تھی، اگر وہ لمحے کے سوویں حصے میں سلمان کی جانب نہ دیکھ لیتا تو شاید وہ بھی سانس نہ روک پاتا اور اس وقت رحمت وغیرہ کے ساتھ بے ہوش پڑا ہوتا۔

رات کے اس پہر میں تھانے میں نفری بالکل کم تھی، ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سلمان آگے بڑھا اور اس نے رحمت کے ہولسٹر میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالا اور اس کا رخ رحمت کی جانب کرنے ہی والا تھا کہ شمشیر اپنی جگہ سے ہلا اور بجلی کی طرح سلمان پر کودا۔ اس غیر متوقع حملے نے اسے گڑبڑا دیا تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر رگڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا تھا جبکہ اس کی گردن شمشیر کے بازوؤں کی گرفت میں آ گئی تھی۔ اس نے اس کی گردن پر گرفت کو مزید تنگ کیا تو سلمان نے تڑپنا

شروع کر دیا۔ یوں بھی وہ جسمانی طور پر مضبوط نہیں تھا ہاں مکاریوں میں یقیناً سرفہرست تھا۔

''تم ہمیں ہماری ہی جگہ پر احمق بناؤ گے...... ہمارے لوگوں کا خون بہاؤ گے اور ہم تمہیں چھوڑ دیں گے؟'' وہ غرایا۔ ''تم نے کیا سمجھا تھا خود کو؟'' اس نے اسے چھوڑا تو وہ زمین پر جا گرا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر تھے۔ اب اس کی آنکھوں سے حقیقی خوف جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

ابراہام اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس کا خصوصی ٹرانسمیٹر نما آلہ اس کے سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ یہ ایک مخصوص قسم کا کمیونیکٹر تھا اس کی خاص خوبی اس کا کسی بھی آلے کے ذریعے ٹریس نہ ہونے کی خصوصیت تھی۔ دوسرے اس پر گفتگو کے دوران بھی اگر کوئی بیرونی آلہ خاموش مداخلت بھی کرتا تو یہ اس خطرے کا اعلان کر دیتا تھا۔ اس پر سے وہ ٹرانسمیٹرز، موبائل، لینڈ لائن، آن لائن ہر انداز سے گفتگو کر سکتا تھا۔

اس وقت وہ ٹرانسمیٹر پر زورین سے بات کر رہا تھا۔ اس کے ماتھے کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ وہ اس گفتگو سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھا۔

''جی سر...... میں غضنفر کی بات کر رہی ہوں، سردار صاحب کے بعد ہم نے اسے ہائر کیا اور وہ یہاں ہمارا خاصا ذمے دار آدمی تھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ غضنفر غائب ہے۔''

''غائب کہاں...... یعنی وہ خود کہیں چلا گیا ہے؟'' ابراہام نے پوچھا۔

''نہیں گیا نہیں ہے سر لے جایا گیا ہے۔'' وہ ڈرامائی انداز میں بولی۔ ''میڈم نے اُس لڑکی کو لانے کا حکم دیا تھا جس کی وجہ سے ہمارا یہاں کا سارا سیٹ اَپ خراب ہوا تھا۔ تاشی اور بقیہ سب کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔''

''تو......''

''میڈم نے غضنفر کے ذمے اسے لانے کی ذمے داری لگائی تھی۔''

''اچھا۔''

''سر آپ سن رہے ہیں نا......؟'' زورین نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ سن رہا ہوں اور اندازہ ہو رہا ہے کہ ہمارا کام وہاں اتنا سست کیوں ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں نے تم سے کہا ہے کہ مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کرو۔''

''سر غضنفر اور دلاور کو وہ لڑکی کہیں مل گئی تھی اور انہوں نے اس پر قابو پا کر اسے اٹھا لیا تھا، یہ وہی دن تھا سر جب مجھے انڈر گراؤنڈ ہونے کا حکم ملا تھا اور مجھے انڈر گراؤنڈ کیا گیا تھا۔ میڈم کے غائب ہونے کی وجہ سے...... انہوں نے مجھے بہت فون کیے، ہمارے دفتر تک گئے مگر وہ بند تھا اس کے بعد وہ اسے کسی اور جگہ لے گئے۔''

''زورین میں تفصیل سننا چاہ رہا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ کہیں کوئی کڑی میری نظروں سے پوشیدہ رہ گئی ہے تب ہی ہم مریم کو نہیں ڈھونڈ پا رہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم مجھے لحہ بہ لحہ رپورٹ دو، نتیجہ بتاؤ وہ لڑکی کہاں ہے اب؟''

''سر وہ اسی رات فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی، اس بات کا علم مجھے بھی آج ہی دلاور سے بات کر کے ہوا ہے۔ اس کے کامیاب اغوا کے بعد غضنفر نے میرے نمبر پر بہت کالز کیں مگر وہ بند تھا۔ میڈم بھی نہیں تھیں۔''

''فرار ہو گئی؟''

''جی سر، اس سے خراب بات یہ ہوئی کہ وہ غضنفر کو بھی اٹھا کر لے گئی۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہماری ٹیم میں اس قدر نالائق افراد شامل ہیں۔'' ابراہام غرایا۔

''سر غضنفر اور دلاور دونوں تیز اور بہترین کام کرتے ہیں مگر وہ لڑکی شروع سے ہمارے لیے مسئلہ بنی ہے، تاشی اس کی وجہ سے نظروں میں آئی۔ اس کے بعد ہمارا دوسرا اہم آدمی خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگا جسے مجبوراً دلاور کو قتل کرنا پڑا...... میڈم اسی لیے اسے پکڑنا چاہتی تھیں۔''

''کیا تم کوئی فلم کی کہانی سنا رہی ہو مجھے...... اس وقت تو پوری ٹیم تھی اور تم اس ایک لڑکی پر قابو نہیں پا سکیں۔'' وہ دہاڑا۔

''تاشی کو اغوا کیا گیا تھا نا، کیا اس میں بھی اُس کا ہاتھ تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی سر...... مگر پھر وہ خفیہ ایجنسی کے قبضے میں تھی...... یعنی اس لڑکی کا خفیہ ایجنسی سے تعلق ہے۔''

''کسی سے بھی تعلق ہو، اگر اسے پہلی بار میں نشانِ عبرت بنا دیتے تو کوئی راستے میں نہ آتا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''مجھے اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں کی گئی۔''

''سر میڈم نے کہا تھا کہ وہ دیکھ لیں گی۔''

''میں اسے تمہاری غلطی شمار کروں گا۔ تم لوگ اپنا کام ٹھیک سے نہیں کرتے، اس کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس؟''

''نن نہیں سر...... ہاں سر......''

''کیا بکواس ہے۔'' وہ چلا اٹھا۔

''میرا مطلب ہے سر غضنفر نے اُس کی ایک ویڈیو بنائی تھی وہ اس نے مجھے اسی روز بھیجی تھی مگر میں دیکھ نہیں پائی تھی۔'' وہ ہکلا کر بولی۔

''یعنی وہ تمہارے فون میں ہے؟''

''جج جی سر۔''

''ٹھیک ہے، وہ فون تمہیں ابھی مل جائے گا، مجھے وہ ویڈیو فوراً چاہیے، ویڈیو بھجوا کر فون واپس بند ہو جانا چاہیے۔''

''مم میں ایسے ہی کروں گی سر۔'' الفاظ اس کے ہونٹوں پر ہی تھے کہ فون بند ہو گیا۔ زورین نے گہری سانس لے کر موبائل میز پر رکھا اور پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔

☆☆☆

کریم ڈیوڈ عرف بابا کی گرفتاری کے بعد سے نہایت مصروف رہا تھا۔ ڈیوڈ کا پکڑا جانا ہی ایک بڑی کامیابی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اس سے بہت کچھ اگلوا سکتے تھے مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اس نے کسی بھی مرحلے سے گزرنے سے قبل ہی خودکشی کر لی تھی۔ گرفتاری کے بعد خفیہ مقام پر پہنچانے سے قبل اس کی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی مگر تلاشی کے دوران ہی وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور چند ہی لمحوں میں اس کے ہونٹوں سے جھاگ نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ جب تک کریم وہاں پہنچا، وہ ختم ہو چکا تھا۔

''یہ ہوا کیسے؟'' ڈیوڈ کی موت سے اُسے کافی دھچکا لگا تھا۔ ان کی محنت ضائع ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس کی کسٹڈی میں موت ان کی کارکردگی کے لیے بھی سوال تھا۔

''سر معلوم نہیں...... وہ یہاں آیا تب سے موت تک اس نے صرف ایک ہی جملہ بولا تھا۔''

''وہ کیا؟'' کرنل جاوید نے بے اختیار پوچھا۔

''یہ کہ تم مجھ سے کچھ نہیں جان پاؤ گے...... میں تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا۔'' کیپٹن احمد نے مایوسی سے کہا۔

''پھر تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔'' وہ سر جھکا کر بولے۔ ''آپ جانتے ہیں کہ مجرم جتنا بڑا آدمی ہوتا ہے اس کی باتوں میں اتنا ہی جھوٹ ملتا ہے، میں نے سوچا کہ تفتیش سے بچنے کے لیے وہ یہ سب کہہ رہا ہے۔''

''سوال ایک اور بھی ہے، اس کی مکمل تلاشی لی گئی

اتنی بار کہا ہے کہ دفتر جاتے وقت پیچھے سے کچھ نہ کہا کرو
کتنا منحوس دن گزرے گا آج......

تھی۔ اس کے پاس زہر کہاں سے آیا؟'' کریم نے پوچھا۔

''سر معلوم نہیں، یہاں آنے کے بعد تو اس نے سوائے پانی کے کچھ نہیں پیا۔'' اس نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق اس کی موت سائنائڈ سے ہوئی تھی جو کہ نہایت تیزی سے اثر کرنے والا زہر تھا۔ جس کا ایک خصوصی کیپسول اس کی ڈاڑھ میں بنائی گئی ایک خصوصی درز میں موجود تھا۔ جو شاید اس قسم کی صورت میں استعمال کے لیے ہی اس کے منہ میں رکھا گیا تھا۔ جب اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ مکمل طور پر پھنس چکا ہے اور اب اس کے لیے یہاں سے فرار ممکن نہیں تو اس نے اس کا استعمال کیا۔''

ڈیوڈ کی موت کے بعد اس کے خاص کمرے اور فون سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں انہوں نے اردگرد کے کئی شہروں میں موجود موساد کی ٹیم کو توڑ ڈالا تھا۔ ان میں سے کچھ غائب ہو گئے تھے اور کچھ ان کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ انہیں یقین تھا انہیں دوبارہ ایسا سیٹ اپ بنانے میں کئی سال لگ جائیں گے۔ ان کی ٹیم جانتی تھی کہ ان کارروائیوں کا کچھ نہ کچھ نتیجہ سامنے آئے گا مگر کب، کہاں اور کیسے کے جواب ان کے پاس نہیں تھے۔ یہ بم دھماکے گویا اس کا جواب تھے۔

انہیں پورے آپریشن کے دوران سب سے زیادہ مزاحمت ڈیوڈ کے علاقے سے ملی تھی۔ جہاں تمام تر تفصیلات جاننے کے بعد اکثر لوگ بابا جی کے پرستار تھے اور اس کی موت کے بعد بھی روزانہ اس کے گھر کے گرد جمع ہوجاتے تھے۔ وہاں فراہم کیے جانے والے مفت شربت میں اس محبت کی بنیادی وجہ موجود تھی۔ کرنل جاوید نے اس کا لیب میں ٹیسٹ کروایا تھا۔ تب ہی انہیں علم ہو پایا تھا کہ اس شربت کے ذریعے اس پورے علاقے کو نشے کا عادی بنایا جارہا تھا۔ اب جب وہ شربت نہیں مل رہا تھا تو ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

''کیوں شہزاد تم یہ خاص شربت تیار کراتے تھے اپنے لوگوں کو نشے کا عادی بنانے کے لیے......'' کریم نے ڈیوڈ کے منشی شہزاد سے پوچھا۔

وہ جواب میں بالکل خاموش رہا تھا۔ ڈیوڈ کی موت کے بعد اس سے ہی بہت سی اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں اور اُسے کڑی نگرانی میں رکھا جارہا تھا۔

کرنل جاوید اور کریم وغیرہ نے علاقے میں فوری طور پر ایک طبی یونٹ کی تعیناتی کی درخواست دی تھی جس پر فوری عمل درآمد ہوگیا۔ اس کا کام نشے کے عادی ہوجانے والے افراد کا علاج تھا تا کہ کسی ممکنہ انسانی المیے کا شکار نہ ہونا پڑے۔

☆☆☆

''مم، میں جیمز کو فون کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' سلمان خوف زدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''مجھے مت مارنا...... جو تم کہو گے وہی کروں گا میں۔''

''وہ تو تمہیں کرنا ہی ہے۔'' شمشیر غرایا اور اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر رسید کی جس کے جواب میں وہ اوغ کی کریہہ آواز نکال کر دوہرا ہوگیا تھا۔

شمشیر نے اس کے بعد گھنٹی بجائی۔ جواب میں انسپکٹر رضوان اور ایک سپاہی ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

''اوہ...... یہ کیا ہوگیا سر......'' وہ کمرے میں آکر ٹھٹک سے گئے۔

''ان دونوں کو ہوش میں لاؤ۔'' شمشیر نے سرد لہجے میں کہا اور دوبارہ سلمان کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''کھڑے ہوجاؤ سیدھے۔'' وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ''اب تمہارے پاس کوئی دوسرا موقع نہیں ہوگا۔'' اس نے اپنی پسٹل نکالی اور سلمان کے سر پر رکھ دی۔

''جو آپ کہیں گے میں وہی کروں گا۔'' وہ بمشکل بولا۔ خوف نے لمحے بھر میں اُس کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔

''رضوان ہمیں ٹریسنگ سسٹم سے جڑنا ہے فوراً انتظام کیجیے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''اوکے سر۔'' اس نے سیلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دونوں اے ایس آئی کو ہوش آگیا تھا۔

تھوڑی دیر میں سلمان کو کال ملا کر دے دی گئی تھی۔

''رضوان اس کے سر پر یہ گن رکھ دو، اگر یہ ذرّہ بھر بھی گڑبڑ کرے تو ٹریگر دبا دینا......'' اس نے انسپکٹر رضوان سے کہا اور پھر سلمان کی جانب چہرہ گھمایا۔

''ہیلو...... جی ڈاکٹر...... خیریت ہے؟'' دوسری جانب سے جیمز کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو کیسے ہیں آپ؟''

''جی میں ٹھیک ہوں میرے پاس ایک بڑی خبر ہے اور میں آپ سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔''

''اس وقت...... کیا ہم صبح نہیں مل سکتے؟''

''مل سکتے ہیں مگر اس سے نقصان ہوسکتا ہے اسی وقت ملنا ضروری ہے۔''

''اوکے تو تم کیا چاہتے ہو، میں تمہارے پاس آؤں؟'' اس نے بادلِ ناخواستہ پوچھا۔

''جیسا مناسب ہو...... ورنہ میں آجاتا ہوں۔'' سلمان نے شمشیر کے اشارے کے مطابق کہا۔

''نہیں، میرا خیال ہے کہ میں آجاتا ہوں...... بیس منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔'' ان الفاظ کے ساتھ اس نے کال کاٹ دی تھی۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' شمشیر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''نن نہیں سر...... یوں لگ رہا ہے جیسے وہ کوئی خاص ڈیوائس ہے کیونکہ اسے ٹریس نہیں کیا جاسکا ہے۔'' اس جواب پر اس نے مایوسی سے سر ہلایا اور پھر کھڑا ہوگیا۔

''ہمیں فوراً اسی مکان پر واپس جانا ہے وہاں ہمارا ایک اور مہمان آنے والا ہے۔ اس کے سواگت کی تیاری مکمل ہونی چاہیے۔''

''یس سر......'' انسپکٹر نے اسے سیلیوٹ کیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''پندرہ منٹ سے بھی کم وقت میں وہ سلمان کے مکان پر پہنچ گئے تھے۔ سلمان ان کے ہمراہ تھا۔ گاڑیوں کو عقبی سڑک پر پہنچا دیا گیا انہیں اب جیمز کی آمد کا انتظار تھا۔

جیمز وقت پر پہنچ گیا تھا۔ سلمان اُسے دیکھ کر پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔ ''آؤ جیمز بیٹھو......'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''موضوع پر آیئے آپ نے مجھے اس وقت اتنی ایمرجنسی میں صرف بیٹھنے کے لیے تو نہیں بلایا ہوگا۔''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے، آپ کو یہاں ملنے کے لیے بلایا گیا تھا اور وہ بھی ہم سے۔'' کریم کی آواز پر وہ اچھل سا پڑا تھا۔

''یہ کیا ہے...... تم نے میرے لیے جال بچھایا؟'' اس نے سلمان کو گھورا۔

جواباً وہ اُسے مجبوری بھرے انداز میں دیکھ کر خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس جا رہے تھے۔ اس بار اُن کے ساتھ جیمز بھی موجود تھا۔ شمشیر نے اس سے اس کے ہتھیار، فون وغیرہ لے لیا تھا۔ اس کے اور سلمان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں موجود تھیں اور ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔

☆☆☆

سونیا کی آنکھ سویرے ہی کھل گئی تھی۔

وہ آج خاصی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں مسلسل کچھ تصویریں بن اور مٹ رہی تھیں۔ کچھ الفاظ اور مناظر بار بار آ اور جا رہے ہیں الجھن یہ تھی کہ ان میں سے کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ سب کچھ ایک دھندلکے میں لپٹا ہوا تھا اور یہ ادھوری سوچ یا خیال اسے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔ یہاں اس گھر میں اس کا بہت خیال رکھا جا رہا تھا۔ اتنے ملازمین کے باوجود وہ اولڈ مین دن میں کئی بار اس کی طبیعت پوچھنا نہیں بھولتا تھا۔ اسے ہر چیز دستیاب تھی۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ وہ اسے کوئی اور سمجھ رہے تھے اور اس سے پہلے کہ انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ ان کا خیال غلط تھا، وہ اس سے قبل ہی وہ سب کچھ یاد کر لینا چاہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ اس کے اپنے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔

کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ ڈائننگ ایریا سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ لوگ شاید ناشتا کر رہے تھے۔ لاؤنج کی جانب جانے سے قبل اسے بابا کا کمرا نظر آیا اور وہ غیر شعوری طور پر اس کی طرف بڑھ گئی۔ کمرا خالی تھا، وہ اندر چلتی چلی گئی۔ کمرا سادہ مگر خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ ماحول میں دھیمی دھیمی سی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ بابا کے بیڈ سائڈ پر ایک کتاب رکھی تھی۔ اس نے کتاب اٹھا کر دیکھا، وہ تصوف کے موضوع پر تھی۔ اس نے کچھ صفحات پلٹے اور پھر کتاب کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ دوسری جانب والی بیڈ سائڈ کی دراز تھوڑی سی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے دراز میں جھانکا تو وہاں ایک ریوالور نظر آیا۔ اس نے بے ساختہ اسے باہر نکال لیا۔ یہ روگر ایل سی آر تھا۔ خوب صورت کمیاب اور بہترین کارکردگی کا حامل...... اس نے اس کا جائزہ لیا اس میں پوری آٹھ گولیاں بھی موجود تھیں۔

''وہ یہ سب کیسے جانتی ہے؟'' اس سوال نے اس کے بکھرے ذہن کو اور اُلجھا دیا تھا۔ یقیناً وہ ہتھیاروں کے بارے میں بہت جانتی تھی۔ اس نے ریوالور کو ہاتھ میں پکڑا اور نشانہ لگانے والی پوزیشن بنائی۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر سا لہرایا۔ منظر میں ایک لڑکی شیشے کے ایک کھلے باکس میں کھڑی تھی۔ اس کے کانوں پر ہیڈ سیٹ تھا اور وہ داہنی ہاتھ میں ریوالور تھامے دور ایک نشانے پر گولیاں چلا رہی تھی۔ منظر میں اب اس کا نشانہ تھا۔ یہ ایک شخص کی تصویر کا کٹ آؤٹ تھا۔ وہاں صرف ایک یہ ہی کٹ آؤٹ نہیں تھا۔ بلکہ وہاں موجود پانچوں کٹ آؤٹ پر وہی ایک تصویر تھی۔ اس نے غور سے تصویر کو گھورا۔ اسے یہ چہرہ بہت جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک جھٹکا سا لگا اور وہ چونک کر حال میں واپس آ گئی۔ اس نے ریوالور کو بیڈ سائڈ پر رکھا بستر کے اسی جانب تکیے کے پاس ایک چھوٹا سا فریم الٹا پڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فریم اٹھایا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ فریز سی ہو گئی تھی۔ اس تصویر میں وہ نشانے والا چہرہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی خوب صورت عورت تھی جس کی گود میں ایک بہت چھوٹی سی بچی تھی۔ اس عورت کا چہرہ خود اس سے بہت زیادہ مل رہا تھا، اسے تو پہلی نظر میں لگا جیسے وہ، وہی ہو مگر وہ اس کی تصویر نہیں تھی۔ اس تصویر میں وہ دونوں بہت پیار سے مسکرا رہے تھے جبکہ بچی اپنی دنیا میں مگن اپنی ماں کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

''شاید یہ لوگ مجھے یہ سمجھ رہے ہیں۔'' اس کے ذہن میں آنے والا پہلا خیال یہی تھا مگر اس خیال کے بعد اس کے ذہن کی اسکرین پر پھر نئے منظر چلنے لگے تھے۔ تصویر والی اس عورت کی اس نے اور تصویریں بھی دیکھی تھیں، کہاں؟ یہی وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ عورت اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ بس وہ اسے یاد نہیں کر پا رہی تھی اور یہی چیز اسے پاگل بنا رہی تھی۔ اسے اس عورت کی ایک اور تصویر یاد آ گئی جو اس نے کہیں دیکھی تھی مگر اس تصویر میں وہ اس طرح، اس قدر پیار سے مسکرا نہیں رہی تھی۔ اب وہ

دوسری تصویر اس کے سامنے تھی۔ وہ تصویر اس نے کب اور کہاں دیکھی تھی، یہ سوال اسے چکرا رہا تھا۔ ''یہ بچی......'' اس نے پہلی بار بچی کی تصویر کو غور سے دیکھا۔ غور سے دیکھنے پر اسے وہ بھی بہت جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ ''یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا؟''

''سب کچھ ایسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے سامنے ہو۔''

''جیسے وہ ہر چیز کو جانتی ہو۔''

مگر کچھ بھی صاف نظر نہ آرہا ہو۔ جیسے وہ گہرے پانی میں غوطے کھا رہی ہو، ہاتھ پیر مار کر باہر آنے پر اسے زندگی قریب لگتی تھی مگر پھر... وہ دھندلکا اسے گہرے پانی کا اسیر بنا دیتا تھا...... اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ تصویر اس کے ہاتھ سے پھسل کر بستر پر جا گری تھی مگر اس کی آنکھیں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ اس بار اس کے تصور میں ایک میز آئی تھی۔ وہ ایک بہت خوب صورت اور قیمتی میز تھی، اس میز کی دوسری دراز میں اسی عورت کی وہ دوسری تصویر تھی۔ جس میں وہ خاموش اور افسردہ نظر آرہی تھی۔ اسے دراز کھولے بغیر ہی یہ سب نظر آرہا تھا اتنے میں دو ہاتھوں نے اس دراز کو کھولا، اس میں سے وہ تصویر نکال کر کسی کو دی، اب وہ ان دونوں کو دیکھ سکتی ہے، ایک پچاس سال کے لگ بھگ شفیق عورت اور دوسری ایک لڑکی...... اس نے لڑکی کو غور سے دیکھا...... وہ ان دونوں سے بھی واقف تھی۔ بس اسے وہ یاد نہیں آرہے تھے، اس نے بے بسی سے سوچا۔

''دیکھو میری...... بیٹی یہ ہے ہماری مریم......'' وہ شفیق آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''تمہاری ماں...... کتنا ملتی ہیں تم سے...... یوں لگتا ہے جیسے وہ تمہارے وجود میں واپس آگئی ہو۔''

''ماں......'' اس کے ذہن نے اس لفظ کی گردان شروع کر دی۔ ''کیا یہ اس کی ماں کی تصویر ہے؟'' اب یہ سوال اس کے گرد رقص کر رہا تھا۔

اچانک دو بڑے بڑے مضبوط ہاتھوں نے اس بچی کے ہاتھ سے وہ تصویر چھین لی۔

''یہ...... یہ کہاں سے آئی تمہارے پاس؟'' ایک درشت لہجہ اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ وہ لمبا چوڑا، گوری رنگت اور بھاری جسامت والا شخص تھا۔ اس کے چہرے پر شدید غصہ تھا اور وہ اپنی شرربار نگاہوں سے اس لڑکی کو گھور رہا تھا۔ سونیا کو لمحہ بھر کے لیے یہ محسوس ہوا جیسے وہ اسے ہی گھور رہا ہو۔

''سر...... یہ اس میز میں سے نکالی ہے بے بی نے......'' وہ عورت سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

''تم اس کا خیال نہیں رکھتیں۔ یہاں وہاں جانے کی ضرورت کیا ہے؟'' اس نے وہ تصویر میز پر ڈال دی۔ ''آئندہ مجھے یہ تصویر نظر نہ آئے...... میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

''ڈیڈ......'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ اس کیفیت میں بھی اس کے دل میں اس کے لیے اچھے جذبات نہیں تھے۔ وہ کبھی بستر پر گری تصویر کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آنکھیں بند کر لیتی تھی جہاں تصور اسے ایک الگ ہی کہانی دکھا رہا تھا۔ اچانک اسے سب کچھ ڈولتا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔ تصور اور حقیقت ایک ہو گئے تھے۔ وہ شخص اس کے سامنے کھڑا دہاڑ رہا تھا پھر اس خوب صورت مسکراہٹ والے چہرے نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ چند لمحوں بعد چاروں جانب اطمینان، سکون اور آشتی بھرا اندھیرا چھا گیا تھا۔

☆☆☆

جیمز، زورین کو فون دے کر روانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اس کے جانے کے بعد فون آن کیا اور اس ویڈیو کو کھولا۔ وہ لڑکی دیکھنے میں تو دبلی پتلی خوب صورت سی لڑکی تھی۔ اس ویڈیو میں وہ کسی شخص کے ساتھ کہیں جا رہی تھی اور واضح طور پر وہ اس شخص سے زیادہ حیثیت کی مالک تھی کیونکہ وہ اس کے ساتھ بہت ادب کے ساتھ پیش آرہا تھا اُن کے گاڑی میں بیٹھنے تک اس تصویر میں ایک اور صاحب بھی موجود تھے جو شاید اس لڑکی کے والد ہو سکتے تھے۔ وہ اس عمر میں بھی نہایت اسمارٹ اور ہینڈسم نظر آرہے تھے۔ اس نے ویڈیو دیکھی پھر اسے ابراہام کے نمبر پر سینڈ کر دیا ساتھ ہی وہ اسے خود اپنے نمبر پر بھیجنا نہیں بھولی تھی۔ ویڈیو روانہ کرنے کے بعد اس نے اس فون کو آف کر کے سم نکال دی تھی۔ یہ فون جیمز کے پاس تھا اور وہ اسے ہی واپس دینے والی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سکون سے اپنی آرام کرسی پر جا بیٹھی۔ گزشتہ روز سے اسے اپنی طبیعت کچھ بہتر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ رات خواب میں بھی اسے کٹے پھٹے افراد چلتے ہوئے نظر آتے رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زومبیوں میں پھنس گئی ہو۔

اسے خفیہ ایجنسی میں آئے آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اس سے پہلے وہ انٹرن کے طور پر کام کرتی رہی تھی اور اس سے قبل فوج کا حصہ تھی۔ اس کی زندگی دھماکوں اور خون،

غارتگری کو دیکھتے گزری تھی۔ یوں بھی موساد میں انہیں یہ بات بہت اچھی طرح سمجھائی جاتی تھی کہ دشمن صرف دشمن ہوتا ہے اور ان کا کام صرف اور صرف اس کا خاتمہ ہے۔ اب وہ کس طرح کرتے ہیں، یہ ان کی اپنی سوچ ہے اب تو اسے گراؤنڈ کیا گیا تھا مگر وہ فعال ایجنٹ کے طور پر بھی برسوں کام کر چکی تھی۔ اس کے ہاتھ سے ہونے والے پہلے خون پر ان کے دفتر میں باقاعدہ دعوت منائی گئی تھی اور اسے بریو کلب (بہادروں کا کلب) میں خوش آمدید کہا گیا تھا۔ اسے کبھی یہ سب برا بھی نہیں لگا تھا اور اب صرف ٹیلی ویژن پر تصاویر دیکھ کر اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔

''شاید میں تھک گئی ہوں۔'' وہ بڑبڑائی۔ اسے خود پر قابو پانا تھا ورنہ موساد میں اس کے لیے جگہ ختم ہو جاتی اور اسے باقی عمر کسی متعلقہ دفتر میں کلرک کی طرح کام کر کے گزارنا پڑتی۔

وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ اسکرین پر جیمو کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے فون آن کیا، اس کے دو بار ہیلو کہنے پر بھی کوئی جواب نہیں ملا البتہ پس منظر میں جیمو کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''تو ڈاکٹر سلمان...... تم نے یہاں اتنی رات گئے مجھے بیٹھنے کے لیے تو نہیں بلایا ہوگا نا...... بتاؤ کیا ایمرجنسی ہے؟''

''کام تو ہے تم سے اور وہ بھی بہت بڑا کام......'' اس بار ایک اجنبی بھاری آواز سنائی دی۔

''کون ہو تم؟'' جیمو نے گویا چونک کر پوچھا۔

''تمہاری اور تمہارے سب ساتھیوں کی موت...... تم لوگوں نے کیا سمجھا ہے کہ تم ہمارے لوگوں کا خون بہاؤ گے اور تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا جیمو۔'' زورین اب نہایت غور سے سن رہی تھی۔ ''غلط فہمی ہے تمہاری...... ہم غافل نہیں ہیں تم سے...... چلو کھڑے ہو جاؤ۔''

اس کے بعد وہاں لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ بہت غور سے ہر آواز سننے کی کوشش کر رہی تھی پھر وہ فون بند ہو گیا۔

فون بند ہونے کے بعد بھی وہ چند لمحے اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہی پھر ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور تیزی سے اپنا چھوٹا سوٹ کیس نکال کر اس میں کپڑے، ضرورت کا سامان پیک کرنے لگی۔ ایک قدرے بڑے ہینڈ بیگ میں اس نے ٹرانسمیٹر اور دوسری چیزیں جمع کیں۔ اس کے بعد اس نے اپنا ریوالور، کچھ اور چیزیں اپنے بیگ میں ڈالیں، گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی جس سے اس کی شناخت ہو پاتی۔ یوں بھی یہ کرائے کا گھر تھا اور اسے مکمل فرنشڈ صورت میں ملا تھا۔ یہاں اس کے اپنے سامان میں لیپ ٹاپ، موبائل، چھوٹے ٹرانسمیٹر، کپڑوں اور ضرورت کی چیزوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گھر سے نکلی۔ گھر کو لاک کیا اور پارکنگ کی جانب بڑھ گئی۔ اسے فوری طور پر کسی محفوظ جگہ پر پہنچ کر ابراہام کو صورتِ حال سے آگاہ کرنا تھا، ہوٹل میں ٹھہرنا قدرے غیر محفوظ لگ رہا تھا پھر اس نے شہر کے خوش حال مضافاتی علاقے میں بنے ایک ریسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا۔ اس کی وجہ اس کی یہاں کے حالات سے آگاہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اسے ہوٹل کا انتخاب کرنا ہی تھا تو پھر اسے چند بڑے ہوٹلز میں سے ایک میں ٹھہرنا پڑے گا جو جلد یا بدیر تفتیش کے دائرے میں آ سکتے ہیں۔ چھوٹے ہوٹلز میں وہ محفوظ نہیں تھی۔ ریسٹ ہاؤس میں البتہ مختلف این جی اوز سے متعلقہ خواتین کی رہائش تھی جن میں سے چند سے اس کی واقفیت بھی تھی۔ شہر میں اس قسم کے بے شمار ریسٹ ہاؤسز موجود تھے۔ ان کو چیک کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے جس ریسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا تھا وہاں وہ اپنی دوست بار تھا اینڈریو سے ملنے جا چکی تھی۔ اب وہ یہاں نہیں آتی تھی مگر اس کا حوالہ وہاں کام آ گیا تھا۔ اس نے وہاں خود کو مسز جیکب کے نام سے متعارف کرایا تھا اور منہ مانگے داموں پر ایک ماہ کے لیے کمرا بک کرا لیا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے وہ ایک شاپنگ مال میں گئی تھی جہاں اس نے اپنے لیے کئی شلوار قمیص اور اسکارفس خریدے تھے۔ جن میں سے ایک اس وقت اس کے جسم پر تھا۔ شلوار قمیص بندھے بالوں اور اسکارف میں وہ بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔ کچھ کسر نیلی آنکھوں میں لگے براؤن کنٹیکٹ لینسز نے پوری کر دی تھی۔ اسے اب زورین کی حیثیت سے شناخت کرنا خاصا مشکل ہو گیا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے سامنے لگے شیشے میں اپنا جائزہ لیا اور سامان الماری کے پاس رکھ کر بستر پر گر گئی۔ وہ جیمو کی سخت مشکور تھی۔ اس نے مشکل حالات میں بھی اعصاب پر قابو رکھ کر اسے بچانے کی کوشش کی تھی اور یہ بڑی بات تھی۔

رات ابھی باقی تھی۔ اس نے اپنے سوٹ کیس سے ایک خاص آلہ نکالا اور اسے آن کر کے کمرے میں رکھ دیا۔ جب کافی دیر تک اس کی پیلی لائٹ ہی جلتی رہی تو وہ مطمئن ہو گئی۔ یہ آلہ کمرے میں موجود کسی مائیکرو فون، کیمرا اور ٹیپ

ریکارڈر کو ڈیلیکٹ کر دیتا تھا۔ اس کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ یہ کمرا محفوظ تھا اور وہ وہاں سے ابراہام کو اس اَپ سیٹ (گڑبڑ) کی خبر دے سکتی تھی۔

اس نے اس کا نمبر ملایا۔ بیل کافی دیر بج کر بند ہوگئی تھی۔ ایسے میں ابراہام کی ہدایات کے مطابق انہیں کچھ دیر بعد فون کرنا چاہیے مگر اس وقت وہ ایمرجنسی میں تھی۔ ابراہام سے نئے اسٹیپ کے بارے میں فوری رابطہ کرنا ضروری تھا اس لیے اس نے دوبارہ کال ملائی۔

''زورین کیا زلزلہ آگیا ہے؟'' چوتھی بیل پر دوسری جانب سے سرد لہجے میں پوچھا گیا۔

''سر...... تقریباً۔'' وہ بولی۔ ''سر جیمر پکڑا گیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی ڈاکٹر سلمان بھی سر......''

''جیمر......؟ وہ کیسے......؟''

''میرے پاس پوری تفصیل نہیں ہے سر، بس اتنا معلوم ہے کہ وہ گرفتار ہو چکا ہے، وہ بھی جیمر کی ذہانت کام آئی۔ اس نے گڑبڑ دیکھ کر میرا نمبر ملا دیا تھا یوں مجھے یہ خبر مل گئی ورنہ اگلی باری میری ہوتی۔ یہ لوگ نہایت تیزی سے کام کر رہے ہیں۔''

''میں نے تمہیں اُن کی تعریفیں کرنے کے لیے نہیں کہا ہے زورین......'' وہ غرایا۔

''جی سر۔''

''اب تم کہاں ہو؟''

''سر میں نے لوکیشن، حلیہ سب بدل دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے۔ جیمر کا دیاں اور کس سے رابطہ تھا؟''

''سر...... یہاں ہماری تنظیم فی الحال ہے نہیں...... ہم مارکیٹ سے بندے ہائر کر کے کام کروا رہے تھے اور ان میں سے کسی کا براہِ راست تعلق نہیں ہوتا ہم میں سے کسی سے......''

''ٹھیک ہے تم نئی لوکیشن پر رہو، میں دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''سر میں نے آپ کو ویڈیو بھیج دی ہے۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے میں میٹنگ کے بعد اس کو دیکھتا ہوں اور پھر اس معاملے کو بھی نمٹانا ہے۔''

''او کے سر......'' وہ بولی۔ دوسری جانب سے رابطہ ختم ہوگیا۔

☆☆☆

ابراہام کا موڈ سخت خراب تھا۔

اس محاذ پر اُسے ہر طرف سے بُری خبریں سننے کو مل رہی تھیں۔ ابھی چھاؤنی والی شکست کا زخم تازہ تھا۔ اس وقت وہاں ان کی ٹیم تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ڈیوڈ کی گرفتاری اور موت نے موساد کو دھچکا پہنچایا تھا اور اب یہاں ان کے لوگ پکڑے گئے تھے۔ پہلے کے مقابلے میں یہاں ان کی ٹیم اب نہ ہونے کے برابر تھی۔ اگر مریم موجود ہوتی تو وہ یہاں سے ٹیم سلیکٹ کر سکتی تھی۔ مریم کا خیال آتے ہی اس کی ذہنی رو اس کی جانب بھٹک گئی۔ اسے ہر قیمت پر اسے تلاش کرنا تھا۔

اس کا موڈ بدل چکا تھا اس لیے وہ میٹنگ برخاست کر کے دفتر سے باہر نکلا اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔ ڈرائیور کو اس نے گھر کی جانب چلنے کو کہا اور گاڑی چلنے کے بعد موبائل پر زورین کی بھیجی ہوئی ویڈیو آن کی، وہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے ایسے ہی لوگ وہاں اپنی ٹیم میں درکار تھے۔

ویڈیو شروع اس کے گھر کے دروازے سے ہوئی تھی۔ وہ کسی لڑکے کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے خود پر پورا اعتماد ہے۔ دروازے کے قریب آکر وہ کسی سے ملی اور پھر گاڑی کی جانب چلی۔ وہیں ایک شخص اور موجود تھا۔

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر لڑکی کی جانب متوجہ ہوگیا مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے پھر اسے دیکھا۔ اس بار اس نے ویڈیو کو سلوموشن میں کیا اور اس شخص پر آتے ہی اسے روک کر اسے لارج کر دیا۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اسے شناخت کر لیا۔

یہ وہی تھا جس سے اُسے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت تھی۔

جس کی وجہ سے اُسے مریم کو جان سے مارنا پڑا تھا۔

جس نے اُس کے خاندان میں نقب لگائی تھی۔

جسے وہ کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا......

یہ وہی تھا......

اُس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ چہرہ سرخ ہوگیا۔ جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے...... اور ذہن تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ اب یہ لڑکی اُس کے لیے نہایت اہم ہوگئی تھی۔

بے بسی کے اندھیروں میں ڈوبتی لڑکی کی دردناک داستانِ حیات کے مزید واقعات اگلے ماہ پڑھیے